Spot CMYK#Waheed

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد یونس، مفتی محمد امجد، حکیم محمد فیضان، غفار الحق

فی شمارہ.............. 25 روپے
سالانہ............ 300 روپے

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر
الحاج غلام علی فاروق
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ وچمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان
فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5780728
www.idaraghufran.org
Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ ....میچ اوراس کی خرافات ومنکرات....................مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۷۹)........تحویلِ قبلہ اوراس کی حکمت....................// // ۷

درسِ حدیث ....قیامُ اللیل اور تہجد پر پابندی کی فضیلت....................// // ۱۶

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

کیا یہی تہذیب کی معراج ہے؟ (اِس دور کے چارہ گر کہاں ہیں؟ قسط۱۷)....................مفتی محمد امجد حسین ۲۳

ایک مہاجر فی سبیل اللہ کا سفرِ آخرت (قسط۲)....................مولوی محمد ابراہیم خلیل ۲۷

قلعہ روہتاس اور کھیوڑہ (کوہستانِ نمک) کا ایک سفر (قسط۲)....................مفتی محمد امجد حسین ۳۰

ناجائز اشیاء کی تجارت سے بچیے (قسط۲)....................مفتی منظور احمد ۳۵

تداعی کے ساتھ جماعتی ذکر (چند شبہات کا ازالہ) (قسط۵)....................// // ۳۸

ماہِ جمادی الاولیٰ: پانچویں نصف صدی کے اجمالی حالات وواقعات....................مولانا طارق محمود ۴۵

رشتہ داروں کے ساتھ مال کے ذریعہ سے صلہ رحمی ....مفتی محمد رضوان ۵۲

علم کے مینار....................سرگذشت عہدِ گل (قسط۴۳)....................مفتی محمد امجد حسین ۵۹

تذکرۂ اولیاء:... مثنوی کے مباحث واسالیب کا عمومی جائزہ (تذکرہ مولانا رومی کا: قسط۹)...// // ۶۴

پیارے بچو! ....حکیم لقمان اور اُن کا ایک واقعہ....................مولانا محمد ناصر ۷۰

بزمِ خواتین ....گھر....................مفتی ابوشعیب ۷۲

آپ کے دینی مسائل کا حل.....دعائے قنوت کے الفاظ کی تحقیق ۷۷

کیا آپ جانتے ہیں؟.....فرض نمازوں کے ساتھ سنتِ مؤکدہ کی رکعات.....مفتی محمد رضوان ۸۵

عبرت کدہ ....حضرت یوسف علیہ السلام (قسط۱۰)....................ابوجویریہ ۸۹

طب وصحت..........کھجور کے فوائد وخواص (قسط۲)....................مفتی محمد رضوان ۹۱

اخبارِ ادارہ ....ادارہ کے شب وروز....................مولانا محمد امجد حسین ۹۴

اخبارِ عالم ....قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں....................حافظ غلام بلال ۹۵

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ **مفتی محمد رضوان**

میچ اور اس کی خرافات ومنکرات

مورخہ 30/ مارچ/ 2011ء،۲۴/ ربیع الآخر/۱۴۳۲ھ بروز بدھ کو بعد ظہر مارکیٹ سے کچھ ضرورت پڑنے پر معلوم ہوا کہ آج ہندوستان اور پاکستان کا کرکٹ میچ ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے مارکیٹ کے لوگ میچ دیکھنے میں مصروف ہیں، اور آج آپ کا فلاں کام نہیں ہوسکتا۔

جس کو سن کر بڑا تعجب ہوا کہ لوگ میچ کے اتنے مجنون ہیں کہ دین اور دنیا کے اہم اور ضروری کام چھوڑ کر اور چھٹی کر کے میچ دیکھنے میں مشغول ہیں۔

جب بعض دوسرے احباب سے اس پر بات ہوئی، تو اور بھی عجیب وغریب باتیں معلوم ہوئیں، معلوم ہوا کہ حکومت کی طرف سے بھی سرکاری طور پر میچ کی وجہ سے دوپہر کو چھٹی کر دی گئی ہے، اور پاکستان کے وزیر اعظم صاحب بھی چند وزیروں، مشیروں کو لے کر میچ دیکھنے کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے ہیں، مسافروں کو راستوں میں مشکلات کا سامنا ہے، کیونکہ ٹیکسی اور رکشہ ڈرائیور حضرات اپنا کام کاج چھوڑ کر میچ دیکھنے میں مشغول ہیں۔

جب عصر کے بعد گھر جانے کے لئے ادارہ سے باہر نکلنا ہوا تو راستوں پر عجیب وغریب مناظر نظر آئے، بعض مقامات پر ڈھول ڈھماکوں اور آتش بازی کے ساتھ ناچ گانا ہو رہا تھا، اور بڑی زوردار فائرنگ ہو رہی تھی، جگہ جگہ دوکانوں، ہوٹلوں وغیرہ پر لوگ، جن میں بچے بڑے، اور بوڑھے سب شامل تھے، میچ دیکھنے کے لئے جمع تھے۔

گزرگاہوں پر اپنی گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں پر مختلف لوگوں نے پاکستانی جھنڈے نصب کئے ہوئے تھے، اور موٹر سائیکلوں کے سیلنسر نکال کر شور کرتے ہوئے گزر رہے تھے، اور بہت سے نوجوانوں اور بچوں نے کھلاڑیوں والا لباس پہن رکھا تھا، اور اپنے چہروں پر سبز پرچم کی تصاویر رنگ سے بنوائی ہوئی تھیں، اور اپنی اچھی خاصی انسانی شکل وصورت کو کارٹون نما بنایا ہوا تھا۔

گھر پہنچنے کے بعد بھی وقفہ وقفہ سے فائرنگ کی زوردار آوازیں سنائی دے رہی تھیں، جس کی وجہ سے معمولاتِ زندگی میں خلل واقع ہو رہا تھا، اور مریضوں اور بچوں کو آرام کرنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔

Idara Ghufran

اس قسم کے مناظر سامنے آنے اور معلوم ہونے پر افسوس ہوا کہ ایک گیند بلے کے اس کھیل پر جو بنیادی طور پر چھوٹے بچوں کا کھیل شمار ہوتا ہے، یہ کیا کچھ تماشہ ہو رہا ہے، اور اللہ کرے کہ کسی طرح اس قوم کے دل ودماغ سے میچ اور کھیل کا یہ بھوت کسی طرح اتر جائے۔

عشاء کی نماز سے قبل ایک صاحب نے فون پر معلوم کیا کہ میں ایک مسجد میں امام ہوں، اور متعدد لوگوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں تمام نمازیوں سے پاکستان کے میچ میں فتح یاب ہونے کی دعا کرائیں۔

میں نے ان کو اس خرافات سے منع کیا اور عرض کیا کہ مروجہ میچ جو بے شمار خرافات ومنکرات پر مشتمل ہے، اس کے لئے دعا کرنا کسی طرح زیب نہیں دیتا، اور بالخصوص مسجد جو اللہ کا گھر ہے، اس کو تو کم از کم ان خرافات سے محفوظ وپاک رکھنا چاہئے، اور چند ایک عبادت گزار لوگ، جو اس جنون سے بچے ہوئے ہیں، کم از کم انہیں تو اس جنون میں مشغول اور اس کی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہئے۔

انہوں نے بتلایا کہ فلاں بڑے مفتی صاحب نے بھی ٹی وی پر آ کر دعا کرائی ہے، اور مساجد میں بھی دعائیں ہو رہی ہیں۔

میں نے کہا کہ یہ دوسروں کا معاملہ ہے، ہمیں ان کے طرزِ عمل سے اتفاق نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ کو اس میچ میں شکست منظور ہوئی، جبکہ بظاہر حکمت بھی اسی میں نظر آتی ہے، تاکہ قوم کا جنون ٹوٹے اور بے شمار خرافات ومنکرات سے نجات حاصل ہو۔

اور جب میچ جیتنے سے پہلے یہ خرافات ومنکرات ہیں، تو جیتنے کے بعد تو معلوم نہیں کیا حالت ہوگی؟

تو ہماری سرِ عام دعاؤں کو نشر کرنے سے یہ نقصان ہوگا کہ ہندوؤں سمیت دنیا بھر کے مذاہب والے الزام عائد کریں گے کہ نعوذ باللہ تعالیٰ مسلمانوں کے خدا نے ان کی دعا نہیں سنی، اور ہندوؤں کے بتوں نے سن لی، تو یہ طرزِ عمل بہت بڑی سُبکی اور بدنامی کا باعث ہوگا۔

خیر آہستہ آہستہ فائرنگ اور شور شرابے کا سلسلہ تھم گیا، بعد میں معلوم ہوا کہ پاکستان کو اس میچ میں شکست ہوگئی۔

اس میچ کے دوران اور بعد میں ہونے والے چند واقعات اخباروں میں بھی شائع ہوئے۔

چنانچہ اخبار کے مطابق اس میچ کے نتیجہ میں چالیس ارب روپے کی بھاری رقم کراچی سے جوئے کی شکل میں ہندوستان منتقل ہوگئی، اور رقم کی منتقلی کا یہ انتظام کرکٹ کھلاڑیوں، بعض سیاستدانوں اور سرکاری

عہدیداروں کی نگرانی میں سرانجام پایا۔

اولاً تو اسلام میں جوا کھیلنا ہی حرام اور سخت گناہ ہے، اور جس کھیل پر اتنا بڑا جوا کھیلا جارہا ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کیسے راضی ہوسکتے ہیں؟ پھر ہمارے ملک کی جو معاشی حالت ہے، اس کے پیشِ نظر اتنی بڑی رقم کا ملک سے باہر منتقل ہونا دین کے علاوہ معاشی اعتبار سے بھی تباہ کن ہے۔

اخبار کی خبر کے مطابق اس میچ کے دوران ہونے والی فائرنگ کے نتیجہ میں بے شمار افراد زخمی یا ہلاک ہوگئے، اور بعض لوگ میچ ہارنے کے صدمے میں اپنی زندگی کی بازی بھی ہار گئے، جو بظاہر ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا مصداق ہے۔

شدید غم وغصہ کے نتیجہ میں ہونے والے مالی نقصان کے واقعات کو شمار کرنا مشکل ہے۔

میچ میں شکست کے بعد جشن منانے کے سارے منصوبے اور تیاریاں دھری کی دھری رہ گئیں۔

اخبار کے مطابق قومی ٹیم کی کامیابی کے لئے کئی روز سے دعائیں جاری تھیں، لیکن یہ دعائیں کارگر ثابت نہ ہوسکیں (روزنامہ جنگ، وایکسپریس، 31 مارچ، 2011ء)

ملاحظہ فرمائیے کہ جس قوم کے منکرات وخرافات پر مشتمل کھیل کے شوق اور جنون کی یہ حالت ہو، اس کے لئے دعائیں کیونکر قبول ہوسکتی ہیں؟ بلکہ ایسے موقع پر تو قبول نہ ہونے میں ہی خیر ہے، ورنہ نامعلوم کیا کچھ خرافات ومنکرات ہوتے؟

واقعہ یہ ہے کہ کھیل کے شوق اور کرکٹ میچوں کے لایعنی مشغلے نے قوم کی دینی اور دنیاوی صلاحیتوں کو برباد کرکے دکھ دیا ہے۔

اور ایک ایسا کھیل جو بنیادی طور پر بچوں کا دل بہلانے کے لئے ہے، وہ اب ایک پیشہ اور مقصدِ زندگی بن گیا ہے، جو کھلاڑی کھیلتے ہیں، یہ ان کا پیشہ ہوتا ہے، جس پر انہیں بھاری معاوضہ ملتا ہے، اور ساری قوم ان چند کھلاڑیوں کے پیشہ کی خاطر اپنی جان، مال اور وقت کو برباد کرتی ہے، اس کی حقیقت ''کامی کام کرے، اور بے وقوف ساتھ پھرے'' سے زیادہ نہیں۔

پھر اس کو دین اور مذہب وملت کی شکست وفتح کا ذریعہ سمجھنا بھی سراسر جہالت وحماقت ہے، کوئی ملک میچ جیت کر دنیا میں دوسرے ملکوں کو فتح کرنے والا شمار نہیں ہوتا، بلکہ ایک دن میں ساری قوم کی صلاحیتیں میچ دیکھنے میں مصروف ہونے سے بہت بڑا معاشی نقصان اور تنزلی ہوتی ہے، اسی طرح اس سے کوئی دینی

فائدہ یا ترقی بھی حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اس کھیل کے ذریعہ سے دین میں تنزلی ہوتی ہے۔

پھر یہ مروَّجہ کھیل ترقی کا کہاں ذریعہ ہوا؟ بلکہ یہ تو تنزلی کا ذریعہ ہوا۔

بہرحال یہ واقعہ ملی واجتماعی اور قومی سطح پر زندگی اور ریاست کے مقاصد وترجیحات کی تعیین کے باب میں ہمارے دیوالیہ پن کی ایک مثال ہے، شاید مستقبل کا مورخ ہمارے ملی وقومی انحطاط کے اسباب کی تعیین وتشخیص کرتے ہوئے اس قسم کی مثالوں کو ثبوت میں پیش کرے گا۔

ان حالات میں ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اپنے آپ کو ان کھیلوں کی خرافات سے بچائے، مسلمان ہونے کی حیثیت سے نہ کرکٹ ٹیم کا حصہ بنے، نہ اس پر وقت اور مال خرچ کرے، اور نہ ہی اس کے متعلق جستجو کرے۔

اسلامی حکومت کے تقاضے کے مطابق بھی اس کھیل پر پابندی عائد ہونی چاہئے، تاکہ قوم ان خرافات سے نکل کر دنیا وآخرت کی ترقی کے کاموں میں اپنی صلاحیتوں کو خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

Idara Ghufran

(سورہ بقرہ قسط ۷۹، آیت ۱۴۲، ۱۴۳) مفتی محمد رضوان

تحویلِ قبلہ پر بے وقوفوں کا اعتراض اور اس کا حاکمانہ جواب

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۱۴۲)

ترجمہ: عنقریب کہیں گے لوگوں میں سے بے وقوف کہ کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو ان کے اُس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب، وہ جسے چاہتا ہے، صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے (۱۴۲)

تفسیر وتشریح

تقریباً سولہ، سترہ مہینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنی حکمتِ خاص سے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔

پھر اس کے بعد دوبارہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل فرمایا۔

جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آیا، تو بعض یہودیوں، اور منافقوں اور مشرکوں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا تھا کہ مسلمانوں کو بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنا لینے پر کس چیز نے مجبور کیا، اور مسلمانوں کو بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف کس چیز نے پھیر دیا؟

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اعتراض کرنے سے پہلے ہی مسلمانوں کو خبردار کرنے کے لئے ان کے اعتراض کو پیشگی بیان فرما دیا، اور ایسا اعتراض کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بے وقوف قرار دیا، تا کہ مسلمانوں کو کافروں کے اعتراض سے پریشانی نہ ہو۔

اور پھر ان کے اعتراض کا جواب یہ ارشاد فرمایا کہ خواہ مشرق ہو یا مغرب سب اللہ ہی کی مخلوق ومملوک ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جب اور جس طرف چاہیں رخ کرنے کا حکم فرما دیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم فرمانا صراطِ مستقیم کی ہدایت دینے کے لئے ہوتا ہے۔

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں، وہ صراطِ مستقیم کی ہدایت پاتے ہیں، اور جو لوگ اس کی

خلاف ورزی کرتے ہیں، وہ ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض کرنے والا ''سفیہ'' اور بے وقوف کہلاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ المَقْدِسِ، سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الكَعْبَةِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ :(قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ) فَتَوَجَّهَ نَحْوَ الكَعْبَةِ "، وَقَالَ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ، وَهُمُ اليَهُودُ :مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا، قُلْ لِلّٰهِ المَشْرِقُ وَالمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ .فَصَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ مَا صَلَّى، فَمَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ فِي صَلاَةِ العَصْرِ نَحْوَ بَيْتِ المَقْدِسِ، فَقَالَ :هُوَ يَشْهَدُ: أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَّهُ تَوَجَّهَ نَحْوَ الكَعْبَةِ، فَتَحَرَّفَ القَوْمُ، حَتَّى تَوَجَّهُوا نَحْوَ الكَعْبَةِ (بخاری، حدیث نمبر ۳۹۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ (اللہ کے حکم سے) بیت المقدس کی طرف (رُخ کرکے) سولہ یا سترہ مہینے تک نماز پڑھتے تھے، مگر (اس دوران) رسول اللہ ﷺ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آپ کو کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم کردیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ'' (یقیناً ہم دیکھ رہے ہیں، آپ کے چہرے کو (وحی کے انتظار میں) آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے)

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمادیا، اور لوگوں میں سے بے وقوفوں نے جو کہ یہودی (اور بعض روایات کے مطابق بعض منافقین ومشرکین بھی) تھے، یہ کہا کہ:

''مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ''

کہ ''کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو ان کے اُس قبلہ سے پھیردیا جس پر وہ تھے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب، وہ جسے چاہتا ہے، صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے''

پھر (یہ حکم نازل ہونے کے بعد بیت اللہ کی طرف رخ کرکے) نبی ﷺ کے ساتھ ایک آدمی

نے نماز پڑھی، پھر نماز پڑھ کر وہ شخص باہر نکلا، اور انصاریوں کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا، جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے عصر کی نماز پڑھ رہے تھے (اور ان کو ابھی تک بیت اللہ کی طرف قبلہ کا حکم آ جانے کا پتہ نہیں چلا تھا) تو اس شخص نے کہا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، اور آپ نے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے، تو وہ لوگ (نماز ہی میں) پھر گئے، یہاں تک کہ کعبہ کی طرف رخ کر لیا (ترجمہ ختم)

جب تک انہیں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم معلوم نہیں ہوا تھا، اس وقت ان کے لئے بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا، اور معلوم ہونے کے بعد بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم عائد ہو گیا، اس لئے نماز کا جتنا حصہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کیا، وہ بھی صحیح ہو گیا، اور جتنا حصہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے ادا کیا، وہ بھی، اور اس طرح ان کی یہ نماز درست کہلائی۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَوَّلُ مَا نُسِخَ مِنَ الْقُرْآنِ فِيمَا ذُكِرَ لَنَا شَأْنُ الْقِبْلَةِ، قَالَ اللّٰهُ :(وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ)فَاسْتَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، وَتَرَكَ الْبَيْتَ الْعَتِيقَ، فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى :(سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا)يَعْنُونَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَنَسَخَتْهَا، وَصَرَفَهُ اللّٰهُ إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى :(وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ)(مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۳۰۶۰، واللفظ لہٗ،تفسیر طبری، ج۲ص۵۲۷) [1]

ترجمہ: ہم سے جو ذکر کیا گیا ہے، اس کے مطابق قرآن مجید کا سب سے پہلا حکم جو منسوخ ہوا، وہ قبلہ کی حالت ہے، اللہ تعالیٰ نے (پہلے بیت اللہ سے بیت المقدس کی طرف قبلہ کا حکم) فرمایا کہ: ”وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ“ (اور مشرق ومغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہٰذا جس طرف بھی تم رُخ کرو گے، تو وہیں اللہ کا رخ ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے (چند ماہ تک) بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی، اور بیتِ عتیق (کعبہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا چھوڑ دیا، پھر (دوبارہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

---

[1] قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ بِهَذِهِ السِّيَاقَةِ .
وقال الذهبی فی التلخیص:علی شرط البخاری ومسلم.

Idara Ghufran

''عنقریب لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو ان کے اُس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور آپ جہاں سے نکلیں، تو اپنا چہرہ (نماز میں) مسجدِ حرام کی طرف کرلیا کیجئے، اور تم جہاں کہیں بھی ہو، تو اپنے چہرے اسی کی طرف کرلیا کرو'' (ترجمہ ختم)

''سَیَقُوْلُ'' میں ''یقول'' مضارع کا صیغہ ہے، اور اس پر ''سین'' داخل ہے، جس کے معنیٰ ہیں ''عنقریب کہیں گے'' [1]

''سفہاء'' ''سفیہ'' کی جمع ہے، اور سفیہ بے وقوف اور خفیفُ العقل اور جاہل کو کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ اعتراض ''سفاہت'' پر مبنی تھا، اس لئے ان کو اللہ تعالیٰ نے ''سفہاء'' یعنی بے وقوف فرمایا۔

اور یہ اعتراض کرنے والے خواہ یہودی ہوں، یا مشرکین، یا منافقین، بہرحال اعتراض کرنے والے سفہاء یعنی بے وقوفوں میں داخل ہیں، اور ایسے لوگوں کے اعتراض سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

اور ''سفہاء'' کے بعد جو ''مِنَ النَّاسِ'' فرمایا۔

اس کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے انسانوں میں سے ہونگے، نہ کہ جنات اور حیوانات یا جمادات میں سے۔

اور بعض نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ یہ اعتراض تمام یہودیوں، منافقوں اور مشرکوں کی طرف سے نہیں ہوگا، بلکہ ان میں سے صرف بے وقوفوں اور مخصوص سرکشوں کی طرف سے سرزد ہوگا۔

(تفسیر القرطبی، ج۲ ص۱۴۸، تحت آیت ۱۴۲ من سورۃ البقرۃ، روح المعانی، ج۱ ص۴۰۲، تحت آیت ۱۴۲ من سورۃ البقرۃ، أبو السعود، تحت آیت ۱۴۲ من سورۃ البقرۃ)

''مَاوَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْهَا''

اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے ان بے وقوفوں کا اعتراض بیان فرمایا ہے، کہ وہ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف قبلہ کا حکم آنے پر یہ اعتراض کریں گے کہ ان کو کون سی چیز نے ان کے اس قبلہ سے پھیر دیا، جس پر وہ

---

[1] جاننا چاہئے کہ مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن جب مضارع پر ''سین'' داخل ہوجاتا ہے، تو اسے مستقبل کے لئے خاص کردیتا ہے، لیکن کیونکہ یہ مستقبلِ قریب کے لئے ہوتا ہے، اس لئے ''سیقول'' کا ''سین'' جس طرح بے وقوفوں کے اس اعتراض کے مستقبلِ قریب میں واقع ہونے کا فائدہ دیتا ہے، اسی طرح اس اعتراض کے یقینی طور پر تحقُّق کا بھی فائدہ دیتا ہے، اور بعض مفسرین نے جو اس آیت کو تحویلِ قبلہ کے بعد نازل ہونا بیان کیا ہے، اور ''سیقول'' کو ماضی کے معنیٰ میں ہونے کی تاویل کی ہے، وہ متبادر الفاظِ قرآنی کے خلاف ہونے کی وجہ سے راجح معلوم نہیں ہوتا۔

پہلے تھے، اور مراد اس سے بیت المقدس ہے۔

"قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ"

اس جملہ میں بے وقوفوں کے اعتراض کا جواب ہے، اور اس جملہ میں عربی نحو کے قاعدہ کے اعتبار سے "لِلّٰهِ" خبرِ مقدم ہے، اور "المشرق" مبتدائے مؤخر ہے، اور خبر کو مقدم کرنا جس کا حق کہ مؤخر کرنا ہوتا ہے، یہ حصر اور خاص کرنے کے معنیٰ دیتا ہے، تو مطلب اس جملہ کا یہ ہوا کہ خواہ مشرق ہو یا مغرب، وہ بلاشرکتِ غیرے اللہ ہی کی مملوک ومخلوق ہے۔ مشرق دراصل سورج اور چاند وغیرہ کے طلوع ہونے کی سمت کو اور مغرب غروب ہونے کی سمت کو کہا جاتا ہے۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت وکبریائی بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ مشرق اور مغرب تمام جہات کے بلاشرکتِ غیرے مالک ہیں، اور مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی سمتیں ایک تو روئے زمین کے اعتبار سے ہیں، اور ایک اس سے بھی آگے کی کائنات کی جہات اور سمتیں ہیں، جو کتنی وسیع ہیں، ان کا انسان اندازہ نہیں کرسکتا۔

جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اصل چیز تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم جس وقت جس طرف رخ کرکے عبادت کرنے کا ہوتا ہے، وہی اس وقت قبلہ بن جاتا ہے، خواہ وہ مشرق ہو یا مغرب۔

بندوں کا کام تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے، جدھر انہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے، انہیں اس طرف متوجہ ہوجانا چاہیئے، اگر بالفرض ایک دن میں کئی طرف بھی گھومنے کا حکم دیا جائے، تب بھی اس میں اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ سمتیں اور جہتیں تو سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ومملوک ہیں، بذاتِ خود ان میں کوئی تقدس نہیں، اللہ تعالیٰ کے لئے سب برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس چیز کی طرف چاہیں، سجدہ کرنے کا حکم فرمادیں جیسا کہ بیت اللہ کی طرف، اور جس چیز کی طرف چاہیں، سجدہ کرنے سے منع فرمادیں، جیسا کہ بیت المقدس کی طرف۔

اللہ کے حکم سے ہی کسی چیز کی طرف سجدہ کرنا عبادت ہوتا ہے، اور اس کے حکم سے ہی گناہ ہوتا ہے۔

(التفسیر المظھری، ج ۱ ص ۱۳۸، تحت آیت ۱۴۲ من سورۃ البقرۃ، تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۴۰۲، تحت آیت ۱۴۲ من سورۃ البقرۃ)

اور اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے کوئی جس طرف بھی رخ کرلے، اس میں کوئی خیر وبھلائی نہیں۔

جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۷۷)

ترجمہ: نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف کرلو، بلکہ (اصل) نیکی تو ان لوگوں کی ہے جو اللہ پر، اور قیامت کے دن پر، اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائے (ترجمہ ختم)

اللہ اور قیامت وغیرہ پر ایمان لانا اصل ہے، اور اس کے نتیجے میں پھر اللہ کے حکم کے مطابق مشرق اور مغرب کی طرف، جہاں بھی اللہ کا حکم ہو، رُخ کرنا نیکی بنتا ہے، اس کے بغیر نیکی نہیں بنتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعی احکام کی اصل علت اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احکام پر اس طرح کے اعتراضوں کا اصل جواب یہی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دیا جائے۔

(تفسیر ابنِ کثیر ج ۱ ص ۴۵۴، تحت آیت ۱۴۲ من سورۃ البقرۃ)

"يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ"

اس جملہ میں "من یشاء"، "یھدی" کا مفعول ہے، اور مشیت سے مراد اللہ تعالیٰ کا ارادۂ کونیہ یعنی کسی چیز کے ہونے کا ارادہ ہے (رضا اس کے ساتھ متعلق ہونا ضروری نہیں) پس جس چیز کے ہونے کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں، وہ چیز ہو جاتی ہیں، اور جس چیز کے ہونے کا ارادہ نہیں فرماتے ہیں، وہ نہیں ہوتی، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْــًٔــا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (سورۃ یٰسٓ، آیت ۸۲)

ترجمہ: اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہوجا، تو وہ ہو جاتی ہے (ترجمہ ختم)

اور "صراط" راستے کو کہا جاتا ہے، اور "مستقیم" سیدھے کو کہا جاتا ہے، جو ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہو، اور اس پر سفر کر کے منزل تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اور یہاں "صراطِ مستقیم" سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے، جو جنت کی منزل تک آسانی کے ساتھ پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کسی کو ہدایت دینا اُس کی حکمت اور بندے کی اہلیت کے مطابق ہوتا ہے، جس پر (جبر وقدر وغیرہ کا) کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

امتِ محمدیہ کا امتِ وسط ہونا

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم ہوجاؤ لوگوں پر گواہ، اور ہوجائیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ۔

تفسیر وتشریح

یعنی جس طرح ہم نے تمہیں اللہ کے حکم کے مطابق قبلۂ برحق کی ہدایت دی ہے، اسی طرح ہم نے تم کر اس طرح بھی ہدایت بخشی، اور تم پر اپنا خاص انعام کیا کہ تمہیں معتدل امت بنایا، جو قیامت میں دوسری قوموں پر گواہ بنے گی، اور جب ایسا ہے تو پھر دوسروں کو بھی اسی امت کا اتباع کرنا چاہئے، نہ یہ کہ اس امت کے اعمال پر اعتراض کیا جائے، اور اسے اپنی اتباع کا پابند سمجھا جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :يُدْعَى نُوحٌ يَوْمَ القِيَامَةِ، فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَبِّ، فَيَقُولُ :هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُولُ :نَعَمْ، فَيُقَالُ لِأُمَّتِهِ : هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ :مَا أَتَانَا مِنْ نَذِيرٍ، فَيَقُولُ :مَنْ يَشْهَدُ لَكَ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ، فَتَشْهَدُونَ أَنَّهُ قَدْ بَلَّغَ :(وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا)فَذَلِكَ قَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ(وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا) " وَالوَسَطُ: العَدْلُ(بخاری، حدیث نمبر ۴۴۸۷)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت نوح کو پکارا جائے گا، تو وہ عرض کریں گے کہ "لبیک وسعدیک اے میرے رب" پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا آپ نے (میرے احکام کی لوگوں کو) تبلیغ کردی تھی، تو وہ عرض کریں گے کہ بے شک، پھر حضرت نوح کی امت سے کہا جائے گا کہ کیا انہوں (یعنی حضرت نوح) نے آپ کو تبلیغ کردی تھی؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، پھر اللہ تعالیٰ (حضرت نوح سے) فرمائیں گے کہ آپ کے لئے کون گواہی دے گا؟ تو وہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اور ان کی امت (اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ) پھر تم (اے مسلمانو!) گواہی دوگے کہ نوح علیہ السلام نے (اپنی قوم کو ڈرایا تھا، اور) تبلیغ کردی تھی، اور رسول تم پر گواہ بنیں گے، پس یہی اللہ جل ذکرہٗ کا ارشاد ہے کہ:

Idara Ghufran

”وَكَذٰلِکَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا“

(اور اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم ہو جاؤ لوگوں پر گواہ، اور ہو جائیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ) اور ”وسط“ سے مراد عدل ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر کسی خاص اہمیت وحکمت کی وجہ سے کیا گیا ہے، مثلاً اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی قوم کو ایک لمبی مدت تک تبلیغ کی تھی، اور اس کے باوجود بھی ان کی قوم ان کو جھٹلائے گی۔

ورنہ دوسرے نبیوں اور ان کی قوموں کو بھی اسی طرح پکارا جائے گا۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ يَجِيۡءُ النَّبِيُّ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ، وَمَعَهُ الرَّجُلُ، وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلَانِ، وَأَكۡثَرُ مِنۡ ذٰلِکَ، فَيُدۡعٰى قَوۡمُهُ، فَيُقَالُ لَهُمۡ :هَلۡ بَلَّغَكُمۡ هٰذَا ؟ فَيَقُوۡلُوۡنَ :لَا .فَيُقَالُ لَهٗ :هَلۡ بَلَّغۡتَ قَوۡمَکَ ؟ فَيَقُوۡلُ :نَعَمۡ .فَيُقَالُ لَهٗ :مَنۡ يَشۡهَدُ لَکَ ؟ فَيَقُوۡلُ :مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهٗ .فَيُدۡعٰى وَأُمَّتُهٗ، فَيُقَالُ لَهُمۡ :هَلۡ بَلَّغَ هٰذَا قَوۡمَهٗ ؟ فَيَقُوۡلُوۡنَ :نَعَمۡ .فَيَقَالُ :وَمَا عِلۡمُكُمۡ ؟ فَيَقُوۡلُوۡنَ :جَاءَنَا نَبِيُّنَا، فَأَخۡبَرَنَا: أَنَّ الرُّسُلَ قَدۡ بَلَّغُوۡا، فَذٰلِکَ قَوۡلُهٗ :"(وَكَذٰلِکَ جَعَلۡنَاكُمۡ أُمَّةً وَسَطًا) قَالَ ": يَقُوۡلُ :عَدۡلًا "، (لِتَكُوۡنُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ،وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا) (مسند احمد، حدیث نمبر ۱۱۵۵۸، واللفظ لہٗ، ابنِ ماجه ، حدیث نمبر ۴۲۸۴،شعب الایمان للبیهقی، تحت حدیث رقم ۲۶۰) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے نبی آئیں گے، جن کے ساتھ ایک آدمی ہوگا، اور بعض نبیوں کے ساتھ دو آدمی ہونگے، اور بعضوں کے ساتھ اس سے زیادہ، پھر ان نبیوں کی قوموں کو بھی بلایا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ کیا آپ کے اس نبی نے آپ کو (اللہ کے احکام کی) تبلیغ کی تھی؟ تو وہ کہیں گے کہ نہیں، پھر ان کے نبی سے کہا جائے گا کہ کیا آپ نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی؟ تو وہ نبی کہیں گے کہ بے شک، پھر (اس قوم کے) نبی سے کہا جائے گا کہ آپ کے حق میں کون گواہی دے گا؟ تو وہ فرمائیں گے کہ محمد (ﷺ) اور ان کی امت، پھر محمد ﷺ اور آپ کی امت کو بلایا جائے گا، اور ان سے کہا جائے

[1] إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

گا کہ کیا انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی؟ تو یہ (نبی ﷺ کے امت کے لوگ) کہیں گے کہ بے شک، پھر کہا جائے گا کہ تمہیں اس کا کیسے علم ہوا؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی (محمد ﷺ) تشریف لائے تھے، پھر آپ نے ہمیں خبر دی تھی کہ تمام رسولوں نے (اپنی اپنی قوم کو) تبلیغ کی ہے، پس یہی ہے اللہ تعالیٰ کا قول ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا'' (اور اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا ہے) یعنی عدل امت بنایا ہے، تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو، اور رسول تم پر گواہ ہوں (ترجمہ ختم)

''وسط'' کی تفسیر حدیث میں عدل سے کردی گئی ہے، اور عدل سے مراد معتدل ہونا ہے، اور معتدل امت ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ امت دین کے اعتبار سے افراط اور تفریط اور ہر قسم کے غلو اور تقصیر سے پاک ہے۔

یہ اعتدال اس امت کے سب احکام میں دوسرے مذہبوں کے مقابلہ میں نمایاں ہے، مثلاً عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق، ان سب شعبوں میں اسلام کی تعلیمات ہر قسم کی افراط تفریط سے پاک اور انتہائی اعتدال پر مبنی ہیں۔

اور اسی وجہ سے وہ گواہی دینے میں بھی عدل وانصاف سے کام لے گی۔

(احکام القرآن جصاص، باب القول فی صحة الإجماع، سورة البقرة، (تفسیر الطبری، تحت آیت ۱۴۳ من سورة البقرة)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہادت وگواہی کے مؤثر ہونے کے لئے انسانوں کا عادل وثقہ ہونا بھی ضروری ہے۔

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۹۵ ''اخبارِ عالم''﴾

☜ 10 / اپریل: پاکستان: وزیر اعلیٰ نے گندم کا ہدف 40 لاکھ میٹرک ٹن مقرر کر دیا ☜ 11 / اپریل: لیبیا: افریقی یونین کے رہنما طرابلس پہنچنا شروع، مصراتہ اور اجدابیا سے باغی پسپا، جھڑپوں میں 38 ہلاک ☜ 12 / اپریل: پاکستان: ڈاکٹر خالد سومرو کے والد علامہ علی محمد حقانی انتقال فرما گئے، مرحوم سندھی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر سمیت متعدد کتابوں کے مصنف تھے ☜ 13 / اپریل: پاکستان: غیر معینہ ہڑتال کا اعلان، پنجاب بھر میں گیس اسٹیشن آج سے بند ☜ 14 / اپریل: پاکستان: بھٹو کیس، بابر اعوان وکالت کے لئے وزارت سے مستعفی ☜ 15 / اپریل: پاکستان: این آر او نظر ثانی کیس، سپریم کورٹ نے کمال اظفر کو دھمکیاں ملنے پر پیروی سے الگ ہونے کی اجازت دیدی ☜ 16 / اپریل: پاکستان: ایک دن کے اندر شارٹ فال 1500 میگاواٹ بڑھ گیا، ملک بھر میں 14 گھنٹے طویل لوڈشیڈنگ، بجلی کی مجموعی طلب 1500 ہزار 500 میگاواٹ جبکہ پیداوار 11 ہزار کے قریب ہے، شارٹ فال گرمی کی شدت میں اضافے کی وجہ سے بڑھا۔

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

قیامُ اللیل اور تہجد پر پابندی کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لِی رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللَّهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ (بخاری، حدیث نمبر ۱۰۸۴)

ترجمہ: مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! آپ فلاں کی طرح نہ ہوجانا، جو رات کو (تہجد کے لئے) اٹھا کرتا تھا، پھر اس نے قیامُ اللیل کو چھوڑ دیا (ترجمہ ختم)

اس سے ایک تو تہجد کی فضیلت معلوم ہوئی، اور اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو نیک عمل پر دوام اور پابندی اختیار کرنی مناسب ہے، اور بلا عذر اسے چھوڑنا پسندیدہ نہیں، اگرچہ وہ عمل تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، نہ یہ کہ انسان اتنا زیادہ عمل شروع کردے کہ بعد میں اس سے اُکتا جائے یا عاجز آجائے، اور اس کو نبھانہ سکے۔

(کذافی: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب التھجد، باب ما یکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ، وحاشیۃ السندی علی سنن نسائی)

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعِنْدِي امْرَأَةٌ، فَقَالَ: مَنْ هٰذِهِ؟ فَقُلْتُ: امْرَأَةٌ لَا تَنَامُ تُصَلِّي، قَالَ: عَلَيْكُمْ مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ، فَوَاللهِ لَا يَمَلُّ اللهُ حَتَّى تَمَلُّوا، وَكَانَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ (مسلم، حدیث نمبر ۷۸۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اور میرے پاس ایک عورت موجود تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے متعلق سوال کیا، تو میں نے کہ یہ عورت (رات کو) سوتی نہیں ہے، اور نماز پڑھتی رہتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اتنا عمل کیا کرو، جس کی تم طاقت رکھو، پس اللہ کی قسم! کہ اللہ تعالیٰ اجر وثواب دینے سے اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹتے، جب تک تم خود نہ اُکتا جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کو سب سے پسندیدہ دین وہ ہے، جس پر اس کا عمل کرنے والا ہمیشگی اختیار کرے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ انسان کو اتنا زیادہ عمل کرنا کہ جو اس کی وسعت اور طاقت سے باہر ہو، جس کی وجہ سے اسے بعد میں چھوڑنا پڑے، یا بعد میں وہ اُکتا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں، اور اس کے مقابلہ میں وہ عمل پسند ہے، جو پابندی سے کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔

اور حضرت ابوصالح سے روایت ہے کہ:

سُئِلَتْ عَائِشَةُ، وَأُمُّ سَلَمَةَ :أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَعْجَبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ قَالَتَا " :مَا دَامَ، وَإِنْ قَلَّ (مسند أحمد،حديث نمبر ۲۴۰۴۳ باسناد صحيح)

ترجمہ: امُّ المومنین حضرت عائشہ اور حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند تھا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جو عمل پابندی سے کیا جائے، اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو (ترجمہ ختم)

اگر کسی دن تہجد کے لئے آنکھ نہ کھل سکے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ أَتَى فِرَاشَهُ، وَهُوَ يَنْوِي أَنْ يَقُومَ فَيُصَلِّيَ مِنَ اللَّيْلِ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ حَتَّى يُصْبِحَ، كُتِبَ لَهُ مَا نَوٰى، وَكَانَ نَوْمُهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ (ابنِ ماجه، حديث نمبر ۱۳۴۴ واللفظ لهٗ،مستدرک حاکم، حديث نمبر ۱۱۷۰ ،وقال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ)

ترجمہ: جو شخص اپنے بستر پر آیا، اور اس کی نیت یہ ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر (تہجد کی) نماز پڑھے گا، پھر اس پر صبح ہونے تک نیند غالب رہی (یعنی صبح ہونے تک آنکھ نہ کھلی) تو اس کے لئے اس کی نیت کے مطابق ثواب لکھا جائے گا، اور اس کی نیند اس پر اس کے رب کی طرف سے صدقہ بن جائے گی (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَا مِنَ امْرِءٍ تَكُونُ لَهُ صَلَاةٌ بِلَيْلٍ فَغَلَبَهُ عَلَيْهَا نَوْمٌ إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَجْرَ صَلَاتِهِ، وَكَانَ نَوْمُهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ (سنن نسائي،حديث نمبر ۱۷۸۴ ،واللفظ لهٗ،ابوداؤد، حديث نمبر ۱۱۱۹ ،باسناد صحيح)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی بھی رات کو (کسی وقت اٹھ کر) نماز

پڑھتا ہے، پھر (کسی دن) اس پر نیند کا غلبہ ہوجاتا ہے (جس کی وجہ سے وہ سوتا رہ جاتا ہے، اور صبح ہونے تک اٹھ نہیں پاتا) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی نماز کا اجر لکھ دیتے ہیں، اور اس کی نینداس پر صدقہ ہوجاتی ہے (ترجمہ ختم)

اور اس کے لئے نماز کا اجر لکھے جانے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی عادت اور معمول کی وجہ سے اس رات میں بھی تہجد کے لئے اٹھنے کی نیت رکھتا ہے، مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے اٹھ نہیں پاتا، تو اس کو اللہ تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق اپنے فضل سے تہجد کا ثواب عطا فرمادیتے ہیں۔

اور راجح یہ ہے کہ ایسے شخص کو تہجد کا پورا ثواب ہی ملتا ہے، جو کہ دس گنا ہے۔

(کذافی: التیسر بشرح الجامع الصغیر للمناوی، حرف الھمزۃ، واکمال المعلم شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب جامع صلاۃ اللیل)

قیام اللیل اور تہجد کی آسانی کا عمل

قیامُ اللیل اور تہجد پر عمل میں سہولت پیدا کرنے کا ایک طریقہ تو یہی ہے کہ رات کو عشاء کے بعد جلد از جلد سونے کا اہتمام کیا جائے، تاکہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر تہجد کی توفیق حاصل ہونے میں سہولت رہے۔

اسی کے ساتھ احادیث میں دن میں دوپہر کے وقت کچھ آرام کرنے کو بھی قیامُ اللیل اور تہجد کے لئے معاوِن اور مفید قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اسْتَعِينُوا بِطَعَامِ السَّحَرِ عَلٰى صِيَامِ النَّهَارِ، وَبِقَيْلُولَةِ النَّهَارِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ (مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۱۵۵۱، واللفظ لہ، سنن ابن ماجه، حدیث نمبر ۱۶۹۳) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دن کے روزے پر سحری کے کھانے سے مدد حاصل کرو، اور رات کے قیام پر دن کے قیلولہ سے مدد حاصل کرو (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند پر اگرچہ محدثین کو کچھ کلام ہے، لیکن اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت طاؤس سے مرسلاً مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اسْتَعِينُوا بِرُقَادِ النَّهَارِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ،

---

[۱] قال الحاکم: زَمْعَةُ بْنُ صَالِحٍ، وَسَلَمَةُ بْنُ وَهْرَامٍ لَيْسَا بِالْمَتْرُوكَيْنِ اللَّذَيْنِ لَا يُحْتَجُّ بِهِمَا، لَكِنَّ الشَّيْخَيْنِ لَمْ يُخَرِّجَا عَنْهُمَا وَهٰذَا مِنْ غُرَرِ الْحَدِيثِ فِي هٰذَا الْبَابِ .

وَبِأَكْلَةِ السَّحَرِ عَلَى صِيَامِ النَّهَارِ (مصنف عبد الرزاق، حديث نمبر ۷۶۰۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم دن کو آرام کر کے رات کے قیام پر اور سحری کھا کر دن کے روزہ پر مدد حاصل کرو (ترجمہ ختم)

اور حضور ﷺ اور صحابۂ کرام سے بھی قیلولہ کرنا ثابت ہے، جبکہ حضور ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تہجد پر عامل تھے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ كَانَتْ تَبْسُطُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِطَعًا، فَيَقِيلُ عِنْدَهَا عَلَى ذَلِكَ النِّطَعِ (بخاری، حديث نمبر ۶۲۸۱)

ترجمہ: حضرت امِ سلیم نبی ﷺ کے لئے چمڑے کا بستر بچھا دیتی تھیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس چمڑے کے بستر پر دوپہر کو قیلولہ (آرام) فرمایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

قیلولہ دوپہر کے وقت کے آرام کو کہا جاتا ہے، خواہ نیند کے ساتھ ہو یا بغیر نیند کے۔

اور حضرت امِ سلیم رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں۔

(کذافی: مرقاۃ، ج ۹ ص ۳۷۰۳، کتاب الادب، باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ وَنَقِيلُ بَعْدَ الْجُمُعَةِ (بخاری، حديث نمبر ۹۰۵)

ترجمہ: ہم جمعہ کے لئے صبح سویرے چلے جاتے تھے، اور جمعہ کے بعد قیلولہ کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نَقِيلُ وَنَتَغَدَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند احمد، حديث نمبر ۲۲۸۴۷، واللفظ لهٗ، بخاری، حديث نمبر ۶۲۷۹)

ترجمہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قیلولہ اور صبح کا کھانا جمع کے بعد کھایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

قیلولہ کا اصل وقت کیونکہ زوال کے وقت ہے، اور جمعہ کی نماز زوال کے بعد جلدی پڑھی جاتی تھی، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم صبح ہونے کے بعد اور زوال سے کافی پہلے جمعہ کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے، اس لئے جمعہ کے دن ناشتے کا اور زوال کے وقت دوسرے دنوں کی طرح قیلولے کا وقت نہیں ملتا تھا، اس لئے وہ قیلولہ جمعہ کی نماز کے بعد کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر زوال کے وقت قیلولہ کا موقع نہ مل سکے، تو زوال کے بعد کرنا بہتر ہے۔
(کذافی: فتح الباری لابنِ حجر ، ج۶ ص ۳۲۶، قولہ باب ما جاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة، ومرقاة المفاتیح، ج۳ص ۱۰۴۰ ، کتاب الصلاة، باب الخطبة و الصلاة)

اور بدری صحابی حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

نَومُ أَوَّلِ النَّهَارِ خُرقٌ ، وَأَوْسَطُهُ خُلُقٌ ، وَآخِرُهُ حُمُقٌ (مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۲۷۲۱۲، واللفظ لهٗ، شرح مشکل الآثار للطحاوی، حدیث نمبر ۱۰۷۳)

ترجمہ: دن کے اول حصہ (یعنی سورج طلوع ہونے کے بعد) کی نیند بے وقوفی ہے، اور دن کے درمیان (یعنی دو پہر کو زوال کے وقت) کی نیند عادت وفطرت کے مطابق ہے، اور دن کے آخری حصہ (یعنی عصر کے بعد) کی نیند حماقت والی ہے (ترجمہ ختم)

اس روایت میں دن کے اول حصے کی نیند کو بے وقوفی قرار دیا گیا ہے، اور اگلی روایت میں وقتِ ضحیٰ کی نیند کو بے وقوفی قرار دیا گیا ہے، اور ضحیٰ کے وقت سے مراد طلوع کے بعد کا وہ وقت ہے، جب سورج کچھ اونچا ہو جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس موقع پر دن کے اول حصہ سے مراد نہارِ عرفی کا ابتدائی وقت یعنی سورج طلوع ہونے کے بعد کا وقت ہے۔
(کذافی: مرقاة، ج۳ص۹۷۷، کتاب الصلاة، باب صلاة الضحی، عمدة القاری للعینی، ج۱۰ ص ۸۵، کتاب الحج، باب رمی الجمار)

اور پھر اس کے مقابلہ میں دن کے درمیان کے وقت سے مراد بھی نصف النہار عرفی یعنی زوال کا وقت ہے۔
اور دن کے آخری حصہ سے مراد عصر کے بعد اور غروب سے پہلے کا وقت ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

النَّوْمُ ثَلَاثَةٌ :فَنَوْمٌ خُرقٌ وَنَوْمٌ خُلُقٌ وَنَوْمٌ حُمُقٌ ,فَأَمَّا نَوْمَةُ الْخُرقِ فَنَوْمَةُ الضُّحَى، يَقْضِي النَّاسُ حَوَائِجَهُمْ وَهُوَ نَائِمٌ ,وَأَمَّا نَوْمَةُ خُلُقٍ فَنَوْمَةُ الْقَائِلَةِ نِصْفَ النَّهَارِ ,وَأَمَّا نَوْمَةُ حُمُقٍ فَنَوْمَةٌ حِينَ تَحْضُرُ الصَّلَوَاتُ (شرح مشکل الآثار للطحاوی، حدیث نمبر ۱۰۷۳ ،شعب الایمان للبیهقی، حدیث نمبر ۴۴۰۹)

ترجمہ: (دن کی) نیند تین طرح کی ہے، پس ایک نیند بے وقوفی والی ہے، اور ایک نیند فطرت وعادت والی ہے، اور ایک نیند حماقت والی ہے، پس بے وقوفی والی نیند سورج طلوع ہونے کے بعد کی ہے، کہ لوگ اپنے کام کاج پورے کرتے ہیں، اور یہ سویا رہتا ہے، اور فطرت

وعادت والی نیند نصف النہار(زوال یعنی ٹھیک دوپہر کے وقت) کی نیند ہے، اور حماقت والی نیند نمازوں کے اوقات کی نیند ہے(ترجمہ ختم)

اور حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے مروی ہے کہ:

عَنْ مَكْحُولٍ ، أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ بَعْدَ الْعَصْرِ ، وَقَالَ :يَخَافُ عَلَى صَاحِبِهِ مِنْهُ الْوَسْوَاسَ(مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۲۷۲۱۳، کتاب الادب)

ترجمہ: حضرت مکحول عصر کے بعد سونے کو ناپسند قرار دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ عصر کے بعد سونے والے پر وسوسوں کے(غلبے کا) خوف ہے(ترجمہ ختم)

اور وسوسوں کا غلبہ ترقی کر کے جنون کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے عصر کے بعد کی نیند کو مجنون کی نیند قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابنِ اعرابی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَرَّ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْعَبَّاسِ بِالْفَضْلِ ابْنِهِ وَهُوَ نَائِمٌ نَوْمَةَ الضُّحَى ، فَرَكَلَهُ بِرِجْلِهِ وَقَالَ لَهُ :قُمْ ؛ إِنَّكَ لَنَائِمُ السَّاعَةِ الَّتِي يُقَسِّمُ اللهُ فِيهَا الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ ، أَمَا سَمِعْتَ مَا قَالَتِ الْعَرَبُ فِيهَا ؟ قَالَ :وَمَا قَالَتِ الْعَرَبُ فِيهَا يَا أَبَتِ ؟ قَالَ : زَعَمَتْ أَنَّهَا مُكْسِلَةٌ مُهْرِمَةٌ مُنْسِأَةٌ لِلْحَاجَةِ ، ثُمَّ قَالَ :يَا بُنَيَّ !نَوْمُ النَّهَارِ عَلَى ثَلَاثَةٍ ؛ نَوْمُ حُمْقٍ ؛ وَهِيَ نَوْمَةُ الضُّحَى ، وَنَوْمَةُ الْخُلُقِ ؛ وَهِيَ الَّتِي رُوِيَ : قِيلُوا فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَا تَقِيلُ ، وَنَوْمَةُ الْخُرْقِ ؛ وَهِيَ نَوْمَةٌ بَعْدَ الْعَصْرِ لَا يَنَامُهَا إِلَّا سَكْرَانُ أَوْ مَجْنُونٌ(المجالسة وجواهر العلم للدينوری ،حديث نمبر ۲۰۴۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے پاس سے گزرے، اور وہ سورج طلوع ہونے کے بعد سوئے ہوئے تھے، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے پاؤں سے ہلایا، اور فرمایا کہ کھڑے ہوجاؤ! آپ ایسے وقت میں سو رہے ہو، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے رزق تقسیم فرماتے ہیں، کیا آپ نے اس سلسلہ میں اہلِ عرب کا قول نہیں سنا؟ ان کے بیٹے نے عرض کیا کہ اے میرے والد! عرب کا اس بارے میں کیا قول ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کا گمان یہ ہے کہ اس وقت کی نیند سستی پیدا کرنے والی، بوڑھا کرنے والی، کام میں دیر کرنے (رکاوٹ ڈالنے)

والی ہے، پھر فرمایا کہ اے میرے بیٹے! دن کی نیند تین طرح کی ہے، ایک حماقت والی نیند، اور وہ سورج طلوع ہونے کے بعد کی نیند ہے، اور ایک فطرت وعادت والی نیند، اور وہ نیند وہ ہے کہ جس کے بارے میں مروی ہے کہ قیلولہ (یعنی دوپہر کو آرام) کرو، کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا، اور ایک بے وقوفی والی نیند، اور وہ عصر کے بعد کی نیند ہے، اور اس وقت نشے والا یا مجنون ہی سوتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ:

بَلَغَ عُمَرَ ، أَنَّ عَامِلاً لَهُ لاَ يَقِيلُ ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ :قِلْ ، فَإِنِّي حُدِّثْتُ أَنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَقِيلُ ، قَالَ مُجَاهِدٌ :إِنَّ الشَّيَاطِينَ لاَ يَقِيلُونَ (مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۲۷۲۱۱، کتاب الادب، باب ما ذُکِر فِی القائِلۃِ نِصف النّھارِ)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ ان کے ایک عامل (یعنی گورنر) قیلولہ (دوپہر کو آرام) نہیں کرتے، تو ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر کر کے بھیجا کہ آپ قیلولہ کیا کریں، کیونکہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا، حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ شیاطین قیلولہ نہیں کرتے (ترجمہ ختم)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ دن کے اول اور آخری حصہ میں یعنی سورج طلوع ہونے کے بعد اور سورج غروب ہونے سے پہلے سونا طبی وطبعی اور دنیاوی اعتبار سے نقصان دہ ہے، اگرچہ گناہ نہ ہو، بشرطیکہ اس کی وجہ سے نماز وغیرہ میں کوتاہی نہ ہو۔

اور دن کے درمیانی حصہ میں یعنی زوال کے وقت سونا یا آرام کرنا طبی وشرعی اعتبار سے مفید ہے۔

خلاصہ یہ کہ قیلولہ یعنی دوپہر کو زوال کے وقت کچھ دیر کے لئے آرام کرنا ویسے بھی سنت ومستحب ہے، اور اس کے ذریعہ سے تہجد اور قیامُ اللیل پر عمل بھی آسان ہوتا ہے۔

اور تجربہ بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ دن کو کچھ دیر آرام کر لینے سے رات کو تہجد کے لئے اٹھنے میں سہولت حاصل رہتی ہے، اور پھر قیلولہ کے بعد دوبارہ تازم دم ہو کر کام کرنے میں بھی سہولت حاصل ہوتی ہے۔

مگر افسوس ہے کہ اس دور میں بہت سے لوگوں کی صبح دوپہر کے وقت ہوتی ہے، اور وہ رات گئے تک اپنے معمولاتِ زندگی بلکہ فضولیات میں مصروف رہتے ہیں، اور صبح کے مبارک وقت میں پڑے سوتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے نہ تہجد اور قیام اللیل کی توفیق حاصل ہوتی، اور نہ ہی قیلولہ کے مبارک عمل کی۔

مقالات ومضامین (اِس دور کے چارہ گر کہاں ہیں؟ قسط ۱۷) مفتی محمد امجد حسین

کیا یہی تہذیب کی معراج ہے؟

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ .فَاِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَه اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ اعراف آیت ۱۳۰، ۱۳۱)

ترجمہ: اور ہم نے آلِ فرعون کو قحط سالیوں (کے عذاب) اور میووں کے نقصان (کے عذاب) میں پکڑا تا کہ نصیحت حاصل کریں۔ جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہیئے اور اگر انہیں کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے یادرکھوان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (ترجمہ ختم)

پہلی آیت میں جس گرفت اور عذاب کا ذکر ہے، یہ فرعون کی قوم اہلِ مصر پر اس وقت آیا، جب فرعونی حکومت اپنی رعایا میں سے اسرائیلیوں پر یعنی اولادِ یعقوب پر ظلم وزیادتی میں حد سے بڑھنے لگی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے آنے والی دعوتِ حق کو ٹھکرا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت پر ڈٹ گئے، اور حق کے مقابلے میں ہٹ دھرمی پر اتر آئے۔

اصلاً تو ان جرائم کے مرتکب فرعون، اس کی ریاستی مشینری، اس کی بیوروکریسی، اس کی آرمی، اس کے ارکانِ دولت، اس کے اعوان وانصار، اور حوالی وموالی تھے۔

اس لئے مفسرین کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے کہ اس عذاب میں یہی شاہی ہستیاں، اشرافیہ، سرکاری ودرباری طبقے مبتلا ہوئے۔

لیکن دوسرے مفسرین نے قرآن کے دوسرے نصوص کے تناظر میں ''آل'' کو مطلق اور عام لیا ہے، اور اس سے مصر کی عام آبادی یعنی پوری قومِ فرعون مراد لی ہے، کیونکہ دوسری آیات میں فرعون کی قوم کو فرعون کے احکام کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے اور فرعونی سلطنت کے آئین ودستور کی پیروی وتابعداری کرنے اور جنگی ومالی (ٹیکسوں وغیرہ کی ادئیگی کی صورت میں) ہر اعتبار سے فرعونی سلطنت کے استحکام کا باعث بننے اور فرعون کے لئے قوتِ بازو بننے کی وجہ سے فرعون کا شریکِ جرم ٹھہرایا گیا ہے، اور عذاب

وپکڑ میں اس کے ساتھ مبتلا ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ [۱]

آج سپر پاور ہونے کے زعم باطل میں مبتلا سمندر پار کا بڑا چوہدری فرعونیت کا جدید ایڈیشن بنا ہوا ہے، بیسویں صدی کو اپنی خونریزی اور سفاکیوں سے لہولہان کر کے جیسے کیسے ٹاپ آیا ہے، اور اب اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں اس کی سفاکانہ کود پھلانگ انتہاؤں کو چھو چکی ہے، ساری دنیا میں بالعموم اور اسلامی دنیا میں بالخصوص اس کے حوالیوں، موالیوں اور غلاموں کی ایک فوج ظفر موج ہے، جو ایک طرف سیاست وقیادت کے مناصب پہ قابض اور اقتدار کے ایوانوں پر براجمان ہے، تو دوسری طرف میڈیا پر مسلط ہے، اور تیسری طرف پالیسی ساز اداروں اور ملکی سطح کے دانش کدوں پر اس عالمی طاغوت کے ضمیر فروش ذہنی غلام چھائے ہوئے ہیں، بڑے چوہدری کی جنگی اخلاقیات اور بہادری کا یہ عالم ہے کہ ہر قسم کے جدید ترین اور مہلک ترین آلاتِ حرب وضرب سے مسلح ہونے کے باوجود دو نہتے مسلمان ملکوں پر چالیس سے زیادہ ملکوں کی فوج اپنے طاغوتی جھنڈے کے نیچے جمع کر کے انواع واقسام کے آلاتِ حرب وضرب سے ہتھیار بند ہو کر حملہ آور ہوا، اور چنگیز وہلاکو کے فرسودہ ریکارڈ توڑ کر ظلم وسفاکی اور خون آشامی کے اور مکر وعیاری کے جدید اور ماڈرن ریکارڈ قائم کیے، آج یہ عالمی طاغوت قدرت کے ہاتھوں منقار زیر پر ہے، نہتوں کے ہاتھوں کوہساروں میں چوہدری کی درگت بن رہی ہے، آج چوہدری کا دم ناک میں اور عزت خاک میں ہے۔

چوہدری کا چراغِ زندگی گل ہونے سے پہلے ٹمٹماتے چراغ کی طرح آخری زوردار بھڑکیں مار رہا ہے، میرے ملک سمیت کئی مسلمان ملک چوہدری کے مقتدر اور میڈیائی غلاموں کے کرتوتوں سے آج میدانِ جنگ بنے ہوئے ہیں، اور خاک وخون میں رُل رہے ہیں، چوہدری اپنے ٹمٹماتے چراغ کو نہتوں اور

---

[۱] ملاحظہ ہو:

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَه فَاَطَاعُوْهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ. فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ. فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ (سورة الزخرف آيت ۵۴ تا ۵۶)

اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اِطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ۔ پس جب انہوں نے ہمیں غصہ دلا دیا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ ان کو گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لئے عبرت بنا دیا۔

يَقْدُمُ قَوْمَه يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (سورة هود، آيت ۹۸)

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور انکو دوزخ میں جا اتارے گا۔ اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہ برا ہے۔

فالمراد بالہ قومه وهم اهل مصر فی عهدهم وهم مواخذون بظلمه وطغيانه لان قوته المالیه والجندية منهم (تفسير المنار، بحواله ماجدی ج۲ ص ۲۰۹)

مظلوموں کے لہو سے زیادہ وقت تک روشن نہیں رکھ سکے گا، خون آخر خون ہے، گرتا ہے، تو جم جاتا ہے، ظلم آخر ظلم ہے، بڑھتا ہے، تو مٹ جاتا ہے، قصرِ ابیض میں براجمان فرعونِ جدید کی خدائی بحرِ ظلمات (اوقیانوس) کے طوفانی موجوں کی نذر ہونے والی ہے۔

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا اور وہ عالمِ پیر رہا ہے جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

اب مذکورہ دوسری آیت کی روشنی میں اس جدید فرعونیت کا تجزیہ ملاحظہ کرو۔

آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ سرزمینِ مصر کے فرعونوں کا ندیدہ پن اور ڈھیٹ پن اس انتہاء کو پہنچ چکا تھا، کہ ملکی، اجتماعی اور انفرادی سطح پر ان کو جو جو نعمتیں (بطور مہلت و امتحان کے) مل رہی تھیں، مثلاً زمین سونا اگل رہی تھی، پیداوار اور فصلیں خوب ہوتی تھیں، اناج، غلے، پھل، سبزیاں ہر چیز کی فراوانی تھی، تجارت کی گرم بازاری تھی، درآمدات و برآمدات کی صورت میں دنیا جہان کی نعمتیں فرعون کی قلمرو میں کھچی چلی آ رہی تھیں، راحت و خوشحالی کا دور دورہ تھا، تو ان سب نعمتوں کو، اللہ کے دیئے ہوئے عطایا کو فرعونی سامراج اپنی ہنر مندی، اپنی گڈ گورننس، اپنی پالیسیوں کی کامیابی۔ غرضیکہ ہر طرح سے اپنا ہنر و کمال گردانتی تھی، اور اپنی حسنِ کارکردگی اور مثالی نظمِ ریاست کے راگ الاپتی تھی، کسی درجے میں بھی، قدرت کا فیض، اللہ کا دیا ہوا عطیہ، ان نعمتوں کو سمجھ کر حق کی طرف رجوع کرنے اور اپنی خدائی کے بجائے اللہ کی ربوبیت، معبودیت اور خالقیت و رزاقیت کا اعتراف کرنے پر آمادہ و تیار نہ تھی۔

لیکن جونہی بدحالی اور مصائب کی صورت میں اللہ کی پکڑ اور عذاب کا وہ مرحلہ آ جاتا، جس کا پہلی آیت میں اجمالی اور اس زیرِ بحث آیت کے بعد والی آیتوں میں تفصیلی تذکرہ ہے، تو اس پکڑ و عذاب کو اپنی فرعونیت، اپنے ظلم و عدوان، اپنے کفر و نافرمانی اور حق کے مقابلے میں اپنے شر و فساد اور بغاوت و طغیان کا نتیجہ و خمیازہ سمجھنے، جاننے اور ماننے کے بجائے الٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اہلِ ایمان کے سر اس کا الزام منڈ دیتے اور کہنے لگتے کہ جب سے تم نے نبوت و شریعت اور دین و ایمان کی دعوت دینی شروع کی ہے، تو ہم پر یہ مصائب آنے لگے ہیں، پہلے تو ایسا نہیں ہوتا تھا، ہو نہ ہو یہ تمہاری بنیاد پرستی کے نتائج ہیں، حالانکہ حقیقی صورتِ حال یہ تھی کہ پہلے چونکہ نبوت و رسالت کے راستے سے ان کو حق کا پیغام اور اللہ کے احکام نہیں پہنچے تھے، تو کفر کے باوجود ڈھیل ملی ہوئی تھی، اب حق کی دعوت ان تک پہنچ کر حجت پوری ہو چکی تھی، تو نہ ماننے اور بغاوت و سرکشی کرنے پر بار بار سمجھانے اور ایک عرصہ تک مزید مہلت دینے کے بعد گرفت اور پکڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا، لیکن اس حقیقت کو انہوں نے اپنے من مانے افسانے سے بدل دیا کہ تمہاری

ایمانی دعوت سے پہلے، تمہارے نئے دین کے آنے سے پہلے عذاب نہیں آتے تھے۔

تمہارے آنے کے بعد آرہے ہیں، یہ تمہارے سبب سے ہیں، اس طرزِ عمل اور ذہنیت کی تو ایسی مثال ہے کہ کسی چور، ڈاکو، کو اس کے جرائم کے سبب قابو پانے پر پولیس پکڑ کر داخلِ زندان کردے، تو وہ یوں کہتا پھرے کہ میرے قید ہونے اور مصیبت میں پھنسنے کا سبب یہ پولیس ہے، جب تک ان سے آمنا سامنا نہیں ہوا تھا، تب تک تو بڑے مزے سے گزر بسر ہورہی تھی، یہی کچھ طرزِ عمل بڑے چوہدری کا اور اس کے ملکی گماشتوں کا ہے۔

ابوغریب، گوانتانامو اور دنیا جہان کے پھیلے ہوئے طاغوت کے ٹارچر سیلوں میں سسکتے ہوئے مظلوم مسلمان مردوعورتوں اور دم توڑتی ہوئی انسانیت سے ہمدردی اور ان پر ہونے والی دہشت گردی پر احتجاج سے تو ان کی زبانیں مفلوج رہتی ہیں، بے گناہ اور معصوم لوگوں، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر ڈرون برسا کران کی تکہ بوٹی ایک کرنے پر تو ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے، یہ گونگے شیطان بنے رہتے ہیں، لیکن کسی طاغوتی کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے، تو ان کو انسانی حقوق، اسلامی رواداری، تحمل وبرداشت اور نہ جانے کیا کیا درفطنیاں یاد آجاتی ہیں۔

جب ان کے شروفساد اور ظلم وطغیان کے نتائج ان کے سامنے آنے لگتے ہیں، مقتدر روشن خیال غلاموں کی طاغوتی چاکری کے شجرۂ زقوم پر برگ وبار آنے لگتے ہیں، تو یہ واویلا مچاتے ہیں، کبھی مذہب کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں، کبھی اہلِ مذہب اور دین دار لوگوں پر آوازے کستے ہیں، فرعونِ جدید کے یہ غلام یعنی آلِ فرعون خواہ اقتدار کے ایوانوں سے تعلق رکھتے ہوں، یا میڈیا کے اینکر اور سکالر ہونے کے تمغے انہوں نے سجائے ہوئے ہوں، یا اپنے جدت پسند، روشن خیال اور دانشور وتھنک ٹینک ہونے کی خوش فہمیوں میں مبتلا ہوں، یہ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، ان سب کی ذہنیت اور فطرت ایک ہے، ان کے دلوں میں نفاق اور طاغوت پرستی اور حق سے عناد وبغاوت کا روگ ہے، ان کے قلم وزبان سے، ان کی تحریر وتقریر سے، ان کے ٹیبل ٹاک، اور میڈیائی مباحثوں سے ان کے اسی باطنی روگ کا زہر گٹر کی طرح ابل ابل کر سارے ماحول کو متعفن کررہا ہے۔ ع الحذر از دراز دستی ایں کوتاہ آستیناں الحذر

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۰)

ترجمہ: ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے اللہ نے ان کا مرض اور زیادہ کردیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

مقالات ومضامین

مولوی محمد ابراہیم خلیل بن مولانا محمد خلیل صاحب رحمہ اللہ

ایک مہاجر فی سبیل اللہ کا سفرِ آخرت (قسط۲)

پانچ سال بعد ۱۹۵۳ء ماہِ رمضان میں حدود پار کرکے اپنے وطن گئے، اور والدین کی زیارت سے مشرف ہوئے، مگر حکومتِ وقت نے عید الفطر سے ایک روز قبل ''پش بیک'' کر دیا، اور پاکستانی کہلا کر واپس بھیج دیے گئے، جس پر تمام اعزہ کی آنکھیں اشکبار تھیں، قدرت کو جس سے بڑے کام لینا مقصود ہوتے ہیں، اس کی تربیت بھی اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہے، مالکُ الملک کو آپ سے وہ دینی و علمی خدمات لینا مقصود تھیں، جو آپ کی ظاہری استعداد وصلاحیت سے کہیں زیادہ تھیں، دوبارہ پاکستان پہنچائے گئے، تو ۹/ ماہ جیل میں رہے، جہاں آپ نے ۳ پارے حفظ کیے، پھر ایک ہم جماعت سکول کے کلاس فیلو کے والد کی ضمانت پر رہا ہوئے، پھر تحصیلِ علم کے لیے اولاً فیصل آباد کا سفر کیا، قیامِ فیصل آباد میں خیر المدارس ملتان کا شہرہ سنا، تو مفتی زین العابدین صاحب رحمہ اللہ سے مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے نام رقعہ لے کر داخلہ کے لیے خیر المدارس تشریف لے گئے۔

۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۰ء کا زمانہ خیر المدارس میں قیام کرکے قرآن وحدیث کے علوم سے سندِ فراغ حاصل کی، دورانِ تعلیم ایک وقت کا کھانا میسر تھا، باقی بھوک کا ازالہ سبزی فروشوں سے ناقابلِ فروخت سبزی وپھل لے کر کرتے، طالبِ علمی کے معمولات میں رات کے اخیر حصہ میں تہجد اور مطالعہ کا معمول تھا، اور اساتذۂ کرام میں سے حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ (بانی و مہتمم خیر المدارس وخلیفۂ اجل حضرت تھانوی رحمہ اللہ) ومفتی محمد عبد اللہ ڈیروی رحمہ اللہ (رئیس دار الافتاء خیر المدارس وخلیفہ حضرت مدنی فاضل دیوبند) وسائیں طور شاہ صاحب (خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کی بطور خاص خدمت فرماتے، اپنی گزر بسر کے لیے قریب کی مسجد میں امامت کرتے رہے، صرف ایک مرتبہ چھ ماہ بعد ایک پیالہ دودھ کی پیشکش ہوئی، اور بس۔

علاوہ ازیں جمعہ کے روز مسواکیں بیچ کر ہفتہ کے خرچ کا قدرے انتظام ہوجاتا، حضراتِ اساتذۂ کرام ومخدومینِ عظام کی دعاؤں کی بدولت وفاق کا امتحان درجہ علیا میں پاس فرمایا۔

دورانِ تعلُّم تبلیغی معمولات، شبِ جمعہ کا معمول رہتا، جس میں کمی نہ فرماتے، اپنے ساتھ دیگر رفقاء کو بھی تبلیغی معمولات میں شامل فرماتے، دورانِ طالبِ علمی دوشوق موجزن تھے۔

۱۔ امیر التبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنا۔ ۲۔ پیدل جماعت کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت۔

درسیات کی تکمیل کے متصلاً بعد حضرت مولانا محمد احسانُ الحق صاحب دام مجدہم (استاد الحدیث مدرسہ رائے ونڈ وخلیفہ حضرت شیخ رحمہ اللہ) کی مشایعت میں نظام الدین کا سفر فرمایا، اور پہلی دلی حسرت کہ حضرت جی رحمہ اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت سے قلبی تسکین پائی، اور مدرسہ کاشفُ العلوم نظام الدین میں ۳/ ماہ تدریس بھی فرمائی، اس سفر میں اپنے وطن جانے کا عزم مصمم تھا، جس کے انتظار میں نظامُ الدین ٹھہرے، مگر ویزا نہ ملنے کی وجہ سے اپنے وطن کشمیر نہ جاسکے، اور سہ ماہی قیام کے بعد واپس ہوئے، پھر ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۴ء پیدل جماعتوں کے ساتھ پاکستان کے مختلف علاقوں سے گزر کر حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، اس سہ سالہ سفر میں افریقہ، حبشہ، تنزانیہ، مسقط، کویت وغیرہ ممالک میں دعوت کی محنت دل لگی وجانفشانی کے ساتھ سرانجام دی، اور تین حج متواتر فرمائے، اخیر حج میں مولانا احسان صاحب کی معیت حاصل تھی، فراغتِ حج کے بعد پاکستان رائے ونڈ تشریف لائے، ۱۹۶۱ء کے سفر نظامُ الدین پھر ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۴ء کے سفرِ حج سے والدین کی ملاقات بھی مقصود تھی، جو نہ ہوسکی، ان ادوار واسفار میں آپ کے ساتھ مددِ خداوندی کا جو خاص معاملہ تھا، وہ بہت نرالا تھا، بالخصوص اس ۳ سالہ سفر میں جس میں ۳ حج کیے، اور بیتُ اللہ کو غسل دینے کا شرف حاصل کیا، اس میں جتنی رقم کی ضرورت پڑتی، اپنی جیب اور مصلّٰی کے نیچے سے حاصل کرلیتے، اور اس کا مشاہدہ آپ کے تلامذہ وخدام کو بارہا ہوا۔

سفرِ حج سے واپسی پر مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں تدریسی خدمات سونپی گئیں، اور مرکز کے اعمال آپ کے حصہ میں آتے رہے، اسی دوران مولانا عبدالمنان مہاجر مدنی مدظلہ کی تحریک اور کاوش سے آپ کی نسبت طے ہوئی، اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ نے نکاحِ مسنونہ پڑھایا، قیامِ رائے ونڈ کے دوران مولانا خیر محمد رحمہ اللہ ریل سے اسٹیشن پر گزرتے رائیونڈ اُتر جاتے، اور فرماتے کہ مولوی خلیل سے ملاقات کرکے جاؤں گا، اور ایسا بارہا ہوا۔

قیامِ رائے ونڈ کے دوران پاکستان کے امیر اول رفیق ومعتمد خاص مولانا محمد الیاس صاحب، حضرت الحاج محمد شفیع قریشی صاحب رحمہ اللہ (بانی ومتولی زکریا مسجد) کے مطالبہ پر آپ کو خدماتِ زکریا مسجد راولپنڈی کے لیے ۱۹۶۸ء میں بھیج دیا گیا۔

قریشی صاحب رحمہ اللہ کو تاحیات اپنا والد گردانتے، اور قریشی صاحب بھی بہت شفقت فرماتے، ہم تمام اہل پر قریشی صاحب اوران کے اہلِ خانہ کی بہت شفقتیں رہیں۔ فجز اہم اللہ احسن الجزاء۔

ڈھیری حسن آباد کے مرکز میں آخری شبِ جمعہ کا بیان فرمایا، اور اس کے چند دن بعد نمازِ مغرب سے زکریا مسجد کا افتتاح فرمایا، اور پہلی شبِ جمعہ کا بیان فرمایا، ۱۹۶۸ء تا آخرعمر مسجد کی جملہ ذمہ داریاں آپ کے سپرد رہیں، دریں اثناء احیاءِ دین کی عالمی محنت دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں جڑواں شہر پنڈی اسلام آباد کی گلی کوچہ کو چھان مارا، اور دور دراز علماء کی جماعتوں کے ساتھ ملک کے مختلف شہروں میں دعوت کے کام کا تعارف کرایا، اور ہر کس وناکس کو ہر آن ہر گھڑی دعوت کی مبارک محنت کے لیے ہر قربانی پر لانے کی تگ ودو کو اپنا منصبِ فرضی جانتے رہے، جس سے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کے بدلنے کا ذریعہ اور سبب گردانے جاتے۔

آپ قریشی صاحب رحمہ اللہ کی توجہاتِ خاصہ کا مرکز ہوتے ہوئے حضرت قاضی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ (خلیفہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ وحضرت شیخ رحمہ اللہ) جھادریاں والے کی خصوصی نظر میں تھے، انہوں نے آپ کی خاطر حضرات اکابرین رائے ونڈ سے مدرسہ عربیہ کا قیام منظور کروایا، چنانچہ جنوری ۱۹۶۹ء مسجد کے متصل کمرہ میں آپ نے تین طلبہ سے مدرسہ کا افتتاح فرمایا، مدرسہ کے جائزہ ودیگر امور کی نگرانی کے لیے اساتذہ رائے ونڈ تشریف لاتے رہے، اور تاحال تشریف لاتے ہیں، اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

مدرسہ کے ابتدائی سالوں میں طلبہ کے لیے اشیاءِ خوردونوش سبزی وپھل اپنے دوش مبارک پر رکھ کر اپنے عزیز طلبہ کے لیے لاتے، اور ۲۵/ طلبہ تک اپنے گھر سے کھانا تیار کرواتے رہے، شب بیداری بچپن سے معمول تھا، اس میں اپنے ہونہار طلبہ کے لیے اللہ کے حضور استقامت، خدمتِ دین اور قبولیت کی دعائیں فرماتے، اور ساتھ ساتھ نگرانی بھی فرماتے، فرداً فرداً ہر طالبِ علم سے اس کے تفصیلی حالات معلوم کرکے اس کا ہر ممکن تعاون کرتے، اور ساتھ بطورِ خاص تعلق مع اللہ ورجوع الی اللہ کی خاص مشق کراتے۔

تلامذہ کے لیے مجسمۂ رحم وکرم مثل ماں باپ تھے، تلامذہ کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ سمجھتے، تعلیمی ترقی کے لیے تلامذہ کو طویل ترین ترغیب ونصائح ارشاد فرماتے، اساتذہ کو احساسِ ذمہ داری دلانے کے لیے مذاکرہ فرماتے، اور حضراتِ ممتحنین کی آراء سے کام لیتے، اور اپنی محنت کو صفر سمجھتے۔ (جاری ہے......)

مقالات ومضامین

مفتی محمد امجد حسین

قلعہ روہتاس اور کھیوڑہ (کوہستانِ نمک) کا ایک سفر (قسط ۲)

کھیوڑہ سے قلعہ روہتاس تک ہم نے نوے کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ طے کرنا تھا، کھیوڑہ سے سڑک پنڈ دادنخان سے گزرتے ہوئے کوہستانِ نمک کے پہاڑی سلسلے کے ساتھ ساتھ (محاذات میں) جہلم اور منڈی بہاؤالدین کی طرف جاتی ہے۔ [۱]

یہاں راستے میں ایک جگہ ہوٹل میں ہم نے کھانا کھایا، چائے پی، کھانے کا سامان ہم نے ادارہ ہی سے ساتھ لیا تھا، صرف روٹی، چائے وغیرہ ہوٹل سے لینے کی نوبت آئی۔

لگ بھگ آدھا گھنٹہ میں کھانے سے فارغ ہو کر ساڑھے تین بجے کے قریب پھر سفر شروع ہوا، گھنٹہ بھر سفر کے بعد ایک دوراہے پر یہ سیدھی روڈ منڈی بہاؤالدین کی طرف چلی جاتی ہے، جو یہاں سے غالباً پندرہ کلومیٹر کے لگ بھگ مسافت پر ہے، یہ روڈ آگے ایک بیراج پر سے گزرتی ہے، جو دریائے جہلم پر باندھا گیا ہے، دوسری سڑک یہاں سے جہلم کی طرف مڑ جاتی ہے، جہلم یہاں سے اندازاً پینتیس، چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

ہم یہاں سے جہلم کی طرف ہولئے، اس روڈ سے عصر کے وقت تقریباً ساڑھے پانچ بجے ہم جہلم اور دینہ کے درمیان جی ٹی روڈ پر داخل ہوئے، تھوڑی دیر میں شیر شاہ سوری کے مستقر قلعہ روہتاس پہنچے۔ [۲]

---

[۱] پنڈ دادنخان (جہلم) کا تاریخ میں ذکر ابوریحان البیرونی کے حوالے سے بھی آتا ہے، البیرونی (۳۹۲ھ تا ۴۴۰ھ) جو کہ مشاہیرِ اسلام میں بڑی قد آور شخصیت کے مالک ہیں، بہت بڑے مؤرخ، ہیئت دان، عظیم فلاسفر، ماہرِ نجوم اور جغرافیہ نویس تھے، کئی محققانہ کتابیں آپ نے یادگار چھوڑیں، جن میں سے ''کتاب الہند'' ''القانون المسعودی'' اور ''الآثار الباقیہ'' عالمگیر شہرت کی حامل ہیں، ان کتابوں کا اردو ترجمہ بھی ملتا ہے، آپ مشاہیر میں سے بوعلی سینا، اور سلاطینِ اسلام میں سے سلطان محمود غزنوی اور اس کے بیٹے سلطان مسعود کے ہم عصر ہیں، اور ان کے دربار سے وابستہ رہے ہیں، آپ کی مشہور کتاب ''القانون المسعودی'' سلطان مسعود کے نام ہی سے موسوم ہے، پنجاب اور ہند میں قیام کے زمانے میں آپ نے پنڈ دادنخان کے قریب ہی کسی پہاڑی پر بیٹھ کر حسابی فارمولوں سے زمین کی پیمائش کی تھی، جو زمین کی جدید پیمائش سے بہت قریب ہے۔

[۲] شیر شاہ کا اصل نام فرید خان تھا، فرید خان بن حسن خان بن ابراہیم خان، سال ولادت دسمبر 1472ء، وفات 9 مئی 1545ء، آگرہ میں مغلوں (ہمایوں، کامران، اولادِ بابر) کو شکست دے کر ملک سے بے دخل کر کے تختِ سلطنت پر جلوس 1541ء، مدتِ سلطنت 4 سال، 4 ماہ، 15 دن، پایہ تخت دہلی۔ ہندوستان کا بادشاہ بننے کے بعد آئینہ دیکھ کر کہتا تھا کہ ''افسوس مجھے شام کے وقت بادشاہی ملی'' شیر شاہ کا اصل تعلق سوات سے تھا، سوات کے علاقے چملہ میں ایک گاؤں سورئی نامی تھا، یہی ان کا آبائی گاؤں تھا، پرانی تاریخوں میں اس علاقے کو ''کوہستانِ روہ'' کہا جاتا ہے، یہ پٹھانوں کا علاقہ شمار ہوتا ہے، مؤرخین کوہستانِ روہ کا اطلاق سوات، باجوڑ سے لے کر کوئٹہ کے قریب تک کی ساری پختون بیلٹ پر کرتے ہیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Iqra Ghufran

عصر کی نماز ہم نے قلعہ کے اندر آبادی کی مسجد میں پڑھی، یہاں قلعہ کے اندر کافی بڑی آبادی ہے، مقامی لوگوں کے مطابق یہ آبادی بہت قدیم ہے، زمانہ سابق سے ہے، نسل در نسل یہ لوگ یہاں آباد چلے آ رہے ہیں، وقت بہت تنگ تھا، سارا قلعہ دیکھنے کے لئے تو کھلا وقت چاہئے تھا، اچٹتی نظر قلعہ کے مختلف حصوں، فصیل، دروازوں پر ڈالتے ہوئے ہم مغربی سمت میں آگے بڑھے، مان سنگھ کی حویلی، پھانسی گھاٹ، چاند ولی دروازہ، اندر سے گھوم پھر کر ہم نے دیکھا، پھر مشرقی سمت میں آئے، یہاں ایک عظیم الشان تاریخی کنواں ہے، جس میں پانی تک پہنچنے کے لئے ڈھلوان میں بنے زینے کے سو سے زیادہ درجے اترنے پڑتے ہیں، ویسے تو پورا قلعہ ہی ہیبت وجلال کی خاموش تصویر ہے، لیکن اس کنویں سے زمانہ گزشتہ کے ان لوگوں کی ہمت ومحنت، جفاکشی اور عظمت کا ایک رلا ملا تاثر دل ودماغ پر چھا جاتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور زمانہ کی بے وفائی کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے، بتانے والوں نے بتایا کہ اتنا عمیق کنواں اور سیڑھیوں کا اتنا وسیع وعریض سلسلہ ان ہزاروں لشکریوں کو جن کا قیام یہاں ہوتا تھا، بیک وقت، بسہولت کثیر تعداد میں پانی تک آنے جانے اور پانی حاصل کرنے کی غرض سے بنایا گیا، مان سنگھ حویلی کے پرشکوہ بالا خانے پر چڑھ کر بالکل نیچے جانبِ مغرب قلعہ کی فصیل میں مشہور کابلی دروازہ ہے، یہ راولپنڈی وپشاور والی سمت پر ہے، شائد اس وجہ سے اس کا نام کابلی دروازہ رکھا ہے، اسی طرح ایک کشمیری دروازہ ہے، جو کشمیر کے رخ پر ہے، کابلی دروازے کے پاس بھی کنوؤں کا ایک سلسلہ ہے، اور ایک شاہی مسجد ہے۔

ہم مان سنگھ حویلی سے ان نشیبی آثار پر دور سے صرف ایک اچٹتی نظر ہی ڈال سکے۔

روہتاس قلعہ، بہار (ہندوستان) کے قلعہ روہتاس کے ہم نام ہے، جو ایک قدیم، ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا، جسے شیر شاہ نے بڑی چالاکی یا جنگی حکمتِ عملی سے فتح کیا تھا، ہندو مؤرخین بہار کے قلعہ روہتاس کی فتح کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ میانوالی، کالاباغ کے آس پاس جو پختون (عیسیٰ خیل، نیازی قبائل وغیرہ) شیر شاہ کے عہد میں، یا اس سے پہلے گئے ہیں، وہ انہی علاقوں سے گئے ہیں، پہلے پہل شیر خان کا دادا ابراہیم سوری تلاش روزگار کے سلسلہ میں اپنے علاقہ سے دہلی گیا، جہاں اس وقت لودھی پٹھانوں کی حکومت تھی، اسکندر لودھی جیسا بیدار مغز، اولوالعزم اور نیک سیرت بادشاہ کا زمانہ تھا، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''اخبار الاخیار'' میں اسکندر لودھی کی بڑے بلند الفاظ میں تعریف کی ہے، اور اس کی دین داری کو سراہا ہے، ابراہیم سوری اسکندر لودھی کے ہاں ملازم ہوا، ابراہیم کے بعد اس کے بیٹے حسن نے شاہی ملازمت میں بڑی ترقی کی، اور صاحبِ جاگیر ہوا، حسن کا لائق بیٹا فرید خان یعنی شیر شاہ علم وفضل میں ماہر ہوا، اور جاگیر سنبھالنے میں بھی بڑی لیاقت اور مہارت کا ثبوت دیا، یہاں سے اس کے سلطانی جوہر کھلتے گئے، شیر کی انگوٹھی پر یہ شعر کندہ تھا۔ ''شہ اللہ باقی ترا بادا دائم شیر شاہ بن حسن سور قائم

شیر کی وفات قمری سن ۹۵۲ھ میں قلعہ کالنجر کے محاصرے کے دوران اپنے ہی توپ کا آتشیں گولہ گرنے سے ہوئی، جس سے اس کا جسم جل گیا، اس حالت میں بھی اس نے قلعہ پر حملہ کروایا، یہاں تک کہ عصر کے وقت قلعہ فتح ہوا، اس کی فوج قلعہ میں داخل ہوئی، اذان دی، اس پر شیر نے الحمدللہ کہا، اور روح پرواز کر گئی۔

واقعہ پر شیر شاہ سے سخت ناراض ہیں، اور اسے اس کی کھلی مکاری اور غیر اخلاقی حرکت قرار دیتے ہیں (ملاحظہ ہو: کالکارنجن ہندوقانون گو کی کتاب ''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'')

اسے بہار کے قلعہ روہتاس کی طرح ہی مضبوط اور ناقابلِ تسخیر بنانے کی کوشش کی گئی، اس قلعہ روہتاس کی تعمیر سات یا آٹھ سال میں مکمل ہوئی، جبکہ شیر شاہ کی مدتِ حکومت تقریباً پانچ سال ہے، شیر اس کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے ہی اس بے ثبات عالم کو الوداع کہہ چکا تھا۔

قلعہ روہتاس کا محیط تقریباً ڈھائی میل (چار کلومیٹر کے قریب) ہے، اس کی دیواریں تیس فٹ موٹی (اتنی موٹی دیوار کے اوپر ایک گھوڑ اسوار بآسانی گزر سکتا ہے) اور تیس سے اڑتیس فٹ تک بلند ہیں، اس کی فصیل میں بارہ بڑے مرکزی دروازے ہیں، اور ۶۸ برجیاں ہیں، جبکہ فصیل میں کنگروں کی تعداد اٹھارہ سو سے بھی زیادہ شمار کی گئی ہے۔ ؎۱

روڈ کی طرف سے جاتے ہوئے قلعہ کا جو مرکزی دروازہ آتا ہے، ہیبت وجلال کی تصویر مجسم اور پٹھانوں کے فنِ تعمیر کا شاہکار ہے، پتھر کی بڑی بڑی سلیں اس کے ہر جانب استعمال ہوئی ہیں، ان کو تراشنے والوں کی اور یہاں نصب کرنے والوں کی محنت اور ہنر کی داد دینی پڑتی ہے، اس فلک بوس دروازے کی اونچائی اتنی کہ سر اٹھا کے دیکھو تو ٹوپی گرنے لگے۔ ؎۲

دروازے کے ساتھ سیڑھیوں سے فصیل پر چڑھ کر آدمی چلے، تو دیوار کے بجائے بلندی پر قائم چھوٹی موٹی سڑک معلوم ہوتی ہے، قلعہ کا ایک دروازہ خواص خانی نام کا ہے، یہ شیر خان کے جرنیل اور دستِ راست خواص خان کے نام پر ہے۔ قلعہ کا محلِ وقوع دیکھ کر شیر شاہ کی عسکری بصیرت اور شاہانہ قابلیت کی داد دینی پڑتی ہے۔

پوٹھوار کے اس علاقے میں مقامی گکھڑ قوم، شیر شاہ کے لئے دردِ سر بنی ہوئی تھی، شیر شاہ کے گکھڑ سرداروں سے کئی خونریز معرکے ہو چکے تھے۔ ؎۳

؎۱ انسائیکلوپیڈیا (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ) میں قلعہ کے خرچ کی لاگت ۴۰ لاکھ ذکر ہوئی ہے، اس سے مراد اگر اشرفیاں (سونے کا سکہ) ہوں، تو فی زمانہ یہ اربوں میں حساب بنتا ہے، کیونکہ تاریخ میں یہ ملتا ہے کہ بعض اوقات پتھر کی ایک ایک سِل کے لئے ایک ایک اشرفی اس قلعہ کی تعمیر کے دوران خرچ کرنی پڑی ہے، آگے ''توزک جہانگیری'' کا اقتباس آرہا ہے، اس سے اس کی لاگت کی اچھی وضاحت ہوتی ہے۔

؎۲ اس دروازے کی بلندی شیر شاہ سوری کے ایک تذکرے میں ستر فٹ پڑھی تھی، مکان کے ایک منزل کی اونچائی دس تا بارہ فٹ عموماً ہوتی ہے، اس اعتبار سے چھ سات منزلہ بلڈنگ کی بلندی کے برابر دروازے کی یہ اونچائی بنتی ہے۔

؎۳ شیر خان کی اس علاقے میں آمد کے وقت گکھڑ قوم کے سردار سلطان سارنگ اور سلطان آدم دو بھائی تھے، یہ شیر شاہ کے حریف مغلوں کے وفادار تھے، بلکہ بابر کے ہندوستان پر حملے اور پانی پت کے میدان میں لودھی پٹھانوں سے جنگ کے معرکے میں (جس میں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آگے بھیرہ سے خوشاب تک بلوچوں کا ڈوڈی قبیلہ آباد تھا، جو یہاں کے مختار وحکمران بنے ہوئے تھے، بلوچوں کا ایک دوسرا قبیلہ رند چناب، راوی اور ستلج کی وادیوں پر قابض ومتصرف تھا، بلوچوں کا ہوت قبیلہ جہلم اور سندھ کی وادیوں میں اوپر کی جانب جا کے رہ بس گیا تھا (موجودہ میانوالی، کالاباغ وغیرہ) جہاں ترکِ وطن کر کے پہلے سے اس علاقے میں آباد ہونے والے افغان اور پٹھان قبائل (عیسیٰ خیل، نیازی وغیرہ) سے ان کی ٹھن گئی تھی، خوشاب کے مقام پر ان افغانوں کا وفد شیر شاہ کے پاس آ کر اپنے علاقوں پر قابض ہونے والے بلوچوں کی شکایت بھی کر چکا تھا، جس پر شیر شاہ نے بلوچوں پر دباؤ ڈال کر اپنے ہم قوم پٹھانوں کا یہ علاقہ یعنی دریائے سندھ کی اوپر کی جانب کا خطہ (میانوالی، کالاباغ وغیرہ) ان سے خالی کروایا، اور اس کے بدلے میں نندنہ (موجودہ دینہ، جو قلعہ روہتاس کے بالکل قریب) سے گھر جک تک کا علاقہ ان کو دیا (گھر جک جہلم سے تیس میل پر پنڈ دادنخان اور جہلم کے درمیان ہے) شیر خان (شیر شاہ) بلوچوں سے بگاڑنا بھی نہیں چاہتا تھا، بلوچ اس کے حمایتی وپشتیبان تھے، بلوچوں کے سرکردہ سردار فتح خان ڈوڈانی، اسماعیل خان، اور غازی خان (جنہوں نے ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان بسایا) مغل ہمایوں کے خلاف شیر شاہ کی مدد کر چکے تھے، ہمایوں جہلم وخوشاب انہی راستوں سے اپنے بے خانماں اور لٹے پٹے قافلے کو لے کر بھکر، سندھ کی طرف سے ہوتے ہوئے ایران چلا گیا تھا، شیر شاہ کے جرنیل خواص خان نے اس کا تعاقب کرتے کرتے اسے ہند سے بے دخل کر دیا تھا، اس تعاقب میں اسماعیل خان وغیرہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ابراہیم لودھی کی شکست کے ساتھ ہی لودھی خاندان کی پون صدی پر مشتمل ہندوستان پر حکومت کا خاتمہ ہوگیا) بابر کے ساتھ شریک تھے، اور جنگ میں انہوں نے شجاعت کے جوہر دکھائے، شیر شاہ سے شکست کھا کر ہمایوں کو جب بھاگنا پڑا، تو گھکڑوں نے اسی علاقے سے اسے گزارا، جہاں سے وہ بھکر، روہڑی (سندھ) کی طرف دریائے جہلم پار کر کے نکل گیا، جہلم کی تاریخ میں یہ تذکرہ بھی ملتا ہے کہ سلطان سارنگ نے اس وقت شیر شاہ کی یلغار روکنے کے لئے ایک فصیل نما دیوار تقریبا پانچ میل لمبی تعمیر کرائی تھی، یہ پتھر کی چونا گچ دیوار تھی، جس کی بلندی بیس فٹ اور چوڑائی بارہ فٹ تھی، یہ دریا کے جنوب مشرقی طرف سے شروع ہو کر شمال مغرب کی طرف بنائی گئی تھی، ہمایوں کے تعاقب میں جب شیر شاہ آیا، تو سلطان سارنگ نے اسی جگہ اس کا راستہ روکا، اس طرح شیر شاہ اور گھکڑوں کے طویل تنازع کا آغاز ہوا، شیر خان کے معاصر پٹھان مورخ، عباس سروانی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ 1541ء میں شیر خان جب خوشاب میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، اس نے سلطان سارنگ کو مطیع ہو کر حاضر ہونے کا حکم بھجوایا، جس کے جواب میں سارنگ نے تیروں سے بھرا ترکش اور شیر کے دو بچے بھیجے، جو تمثیلی انداز میں اعلانِ جنگ تھا، اس پر شیر شاہ نے گھکڑوں کے علاقے پر یلغار کر دی، اس سلسلہ کی فیصلہ کن جنگ شیر شاہ کے جرنیل خواص خان کے زیرِ کمان شیر شاہ کی افغان فوج نے روات کے مقام پر گھکڑوں کے خلاف لڑی، اس جنگ میں سلطان سارنگ بمع بڑی تعداد میں اپنے لشکر کے مارا گیا، اور اس کے بعد اس کا بھائی آدم خان گھکڑوں کا سردار بنا، آدم خان نے سارنگ اور اس کے بیٹوں وغیرہ کو وہیں روات میں دفن کر کے ان کا شاندار مقبرہ بنایا، یہ قلعہ نما مقبرہ روات بازار میں جی ٹی روڈ کے بالکل قریب ہی آبادی میں ہے (تاریخِ ہزارہ ص ۳۶۰)

نے خواص خان کی مدد کی تھی، باجوڑ سے لے کر بھیرہ تک کا پہاڑی علاقہ اسماعیل خان کے بغیر شیر شاہ قابو میں نہ رکھ سکتا تھا، یہ مختلف بلوچ قبائل بلوچستان کے درہ بولان سے لے کر درہ گومل تک سارے علاقے پر قابض تھے، درہ گومل کے قریب میں ڈیرہ اسماعیل خان اسی اسماعیل خان کی یادگار ہے، بلوچ، افغان، گھکڑوں کے علاوہ جاٹ اور گجر بھی بھیرہ کے اطراف میں آباد تھے، اتنی مختلف قوموں کو زیرِ نگیں رکھنا اور ان کے باہم مخالف مفادات کا لحاظ رکھنا یہ شیر شاہ کی پالیسی کا اہم حصہ تھا، اس کے علاوہ سامنے کشمیر تھا، جہاں ہمایوں کا بھائی، بابر کا بیٹا مرزا حیدر تسلط جما چکا تھا، بغل میں بیٹھے ہوئے اپنے اس اصل حریف پر نظر رکھنا، اور شمال (پشاور) کی طرف سے مغلوں کی کسی غیر متوقع اور اچانک یلغار سے کوہستانِ نمک کے پار اپنے مفتوحہ پنجاب و ہند کا دفاع کرنا بھی شیر شاہ کے پیشِ نظر تھا۔

اتنے سارے مختلف و متنوع مقاصد و مصالح تھے، جن کے لئے کوہستانِ نمک کے دھانے پر یہ مقام ایک دفاعی مستقر اور علاقائی حکومتی مرکز قائم کرنے کے لئے ہر طرح موزوں تھا، سامنے کشمیر تھا، جہاں ہمایوں کا بھائی مرزا حیدر پنجے گاڑے ہوئے تھا، آگے اپنا مقبوضہ پنجاب و ہندوستان تھا، پشت پر شمال کا علاقہ اور اس طرف سے آنے والے جنگجوؤں کے راستے نظروں کے سامنے تھے، اس سے اس قلعہ کی جنگی، انتظامی اور مدافعتی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

شیر خان کے بعد اس کے خاندان کی چند سال ہی حکومت رہی، چند سال اس کے بیٹے اسلام خان (سلیم شاہ) نے حکومت کی، پھر عدلی (عادل شاہ، اسلام خان کا سالا) نے کچھ عرصہ حکومت کی، اسی اثنا میں ہمایوں ایرانی لشکر کے ساتھ آ کر ہندوستان پر قابض ہو چکا تھا، قلعہ روہتاس کی تعمیر سے شیر شاہ کے پیشِ نظر گھکڑوں کو قابو اور نگرانی میں رکھنا اور شمال (افغانستان، پشاور کے راستے) کی طرف سے ہمایوں، مرزا کامران وغیرہ مغلوں کا لشکر لا کر حملہ آور ہونے سے مدافعت کرنا بھی مقصود تھا، بلکہ یہ اہم مقاصد تھے، لیکن شیر شاہ کے فوت ہونے پر اس کے بیٹے اسلام شاہ کے دور میں گھکڑ سلطان آدم نے ایران ہمایوں کے پاس پیغام بھجوایا کہ شیر شاہ کی سلطنت اس کے بعد بالکل کمزور ہو چکی ہے، لہٰذا آ کر اپنا موروثی ملک واپس لے لینے کا اچھا موقعہ ہے، جس پر ہمایوں ایرانی رافضی لشکریوں کی معیت میں افغانستان سے ہوتا ہوا اور کابل و قندھار میں اپنی حکومت بحال کرتا ہوا آیا، اور ملک واپس حاصل کیا، لیکن اس کے بعد جلد ہی اس کی وفات ہوئی (غالبًا ایک سال کے اندر اندر ہی) اس کے بعد اس کے بیٹے اکبر (مغلِ اعظم) کی قہرمانی اور کشورستانی کا پچاس سالہ دور شروع ہوتا ہے۔ ؎

ذکر جب چھڑا قیامت کا ... بات پہنچی تیری جوانی تک

(جاری ہے......)

مقالات و مضامین

مفتی منظور احمد

ناجائز اشیاء کی تجارت سے بچئے (قسط ۲)

خنزیر کی تجارت

شریعت نے خنزیر کو مسلمان کیلئے نجس العین قرار دے کر جہاں اس کے ہر طرح کے استعمال سے فرمایا ہے وہاں اس کی تجارت کو بھی حرام قرار دے دیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر"

بے شک اس نے حرام کیا تم پر مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کو۔

(۱)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ نے شراب اور اسکی کمائی کو حرام کیا ہے، اور مردار اور اس کی کمائی کو حرام کیا ہے اور خنزیر اور اس کی کمائی کو حرام کیا ہے (صحیح مسلم، ج۲ص۲۳، قدیمی کتب خانہ)

(۲)......حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے خنزیر کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔

(۳)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے کتے، خنزیر، شراب کے دام اور زانیہ عورت کی اجرت اور سانڈ کی اجرت سے منع فرمایا ہے (کنز العمال ج۴ص۸۰، حدیث نمبر ۹۶۳۰)

(۴)......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو فرمایا: بے شک اللہ اور اسکے رسول نے تمھارے اوپر شراب پینے اور اس کی کمائی کو حرام کیا ہے، اور تم پر مردار کھانے اور اسکی کمائی کو حرام کیا ہے، اور تم پر خنزیر کو، اور اسکے کھانے اور اسکی کمائی کو حرام کیا ہے الخ (مجمع الزوائد ج۴ص۹۴، باب فی ثمن المیتة)

آجکل جہاں بدقسمتی سے خنزیر کا گوشت کھایا جاتا ہے وہاں اس کے بالوں، اور کھال کی مصنوعات بھی استعمال کی جاتی ہیں، اور اسکے مختلف اجزاء کو ادویات وغیرہ میں بھی شامل کیا جاتا ہے، اور اسکی خرید و

Idara Ghufran

فروخت بھی ہوتی ہے، اور آہستہ آہستہ مسلمان تاجر بھی اس میں ملوث ہو رہے ہیں یا ان کے ملوث ہونے کا خطرہ موجود ہے۔

جبکہ ایک مسلمان کیلئے خنزیر، اس کے گوشت، اس کی چربی، اس کی ہڈیوں، اس کے بال اور کھال کی تجارت سخت حرام، گناہ اور آخرت کے عذاب کا سبب ہے وہاں دنیا میں بھی اس کے مال کی بے برکتی، تباہی اور بربادی کا باعث ہے، اس لئے دنیا میں کامیاب تجارت کے لئے اجتماعی اور انفرادی ہر سطح پر مسلمانوں کا اس سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

آزاد انسان کی خرید وفروخت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے، اسے تمام مخلوقات میں انتہائی معزز ومکرم بنایا ہے اور ہر ایسے کام سے منع فرمایا جو اس کی شرافت اور کرامت کے خلاف ہو، چونکہ اس کی تجارت اور خرید وفروخت بھی اس کی شرافت اور کرامت کے خلاف ہے اس وجہ سے اس سے بھی سختی کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ، صحابہ کرام اور علماء امت کے واضح ارشادات موجود ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں جن کے خلاف میں قیامت کے دن مدعی ہوں گا اور جس کے خلاف میں مدعی ہوں میں اس پر مقدمہ میں غالب آجاؤں گا، ایک وہ شخص جس نے میری قسم کھا کر وعدہ کیا، پھر وعدہ خلافی کی، دوسرا وہ شخص کہ جس نے آزاد شخص کو بیچا اور اس کی قیمت کو استعمال کیا، تیسرا وہ شخص کہ جس نے کوئی مزدور وملازم رکھا اور اس سے پورا کام لیا اور اسے مزدوری نہ دی (صحیح بخاری، ج۳ص۸۲، حدیث نمبر ۲۲۲۷، کتاب البیوع، باب اثم من باع حرا)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

وہ لوگ بدترین ہیں جو انسانوں کو خریدتے اور بیچتے ہیں (کنز العمال ج۴ص۳۸، حدیث نمبر ۹۳۹۲)

ان احادیث کی بنیاد پر آزاد شخص کی خرید وفروخت ہر صورت میں ناجائز ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، زندہ ہو یا مردہ، حتیٰ کہ انسان کے جسم کے کسی حصے سے بال، کھال، ہڈیوں وغیرہ سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں، کیونکہ اگر وہ مسلمان ہے تو اس کی عزت، احترام اور شرافت عام انسانوں سے زیادہ ہے اور اگر کافر

ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ جب غزوۂ خندق میں قتل ہوا تو وہ چونکہ مشرکین کی طرف سے لڑنے آیا تھا تو اس لئے مشرکین نے جناب رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اس کی لاش انہیں بیچ دی جائے تو اس پر جواب میں آپ نے فرمایا ہمیں نہ اس لاش کی ضرورت ہے نہ اس کی قیمت کی لہٰذا اسے مشرکین کے حوالے کر دیا (المفہم لما اشکل فیہ من تلخیص کتاب مسلم، ج۱۴ص۸۸، ومن باب تحری، بیع الخمر)

ہمارے دور میں بہت سی مروج صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں آزاد انسانوں یا ان کے اجزاء کی خرید وفروخت ہوتی ہے مثلاً:

(۱)......عورتوں کی سمگلنگ اور اس کو بھاری معاوضہ لے کر فروخت کرنا، یا نکاح میں دیکر اس کی قیمت لاکھوں میں وصول کرنا۔

(۲)......بچوں یا بڑوں کو اغواء کر کے بھاری تاوان وصول کر کے چھوڑنا۔

(۳)......ملکی اور عالمی سطح پر انسانی سمگلنگ کرنا اور اس کی آمدنی حاصل کرنا۔

(۴)......طبی تحقیق اور پریکٹیکل کے لئے مردہ لاشوں کی خرید وفروخت کرنا۔

(۵)......انسانی اعضاء گردے، دل، اور آنکھ وغیرہ کی تجارت کرنا۔

(۶)......انسانی بالوں اور خون کی تجارت کرنا۔

یہ تمام ایسی صورتیں ہیں کہ جن میں تجارت کا گناہ اور اخروی وبال اور عذاب تو یقیناً ہوگا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ تجارت انسان کی دنیا اور اس کی معیشت کے لئے بھی انتہائی تباہ کن ہے۔

کیونکہ ایک انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اس کی عزت، کرامت اور شرافت کو توڑ کر جو مال کمایا جائے اور جو کاروبار کیا جائے اس میں کسی صورت میں برکت نہیں ہوسکتی اور وہ مال کسی صورت میں انسان کے لئے اطمینان وسکون کا باعث نہیں بن سکتا، بلکہ ایسا مال یقیناً دنیا میں ہی انسان کے لئے وبال بن جاتا ہے۔

اس لئے عام انسان پر بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ معاشرے کو ایسی ناپاک تجارت سے پاک کریں، ورنہ اس کا وبال پورے معاشرے کو گھیر لے گا اور اس کی معیشت کو تباہ کر کے رکھ کر دے گا۔ (جاری ہے............)

Idara Ghufran

مقالات ومضامین مفتی محمد رضوان

تداعی کے ساتھ جماعتی ذکر (قسط۵)

(چند شبہات کا ازالہ)

حضرت عنترہ ابو وکیع سے روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

ما سلک رجل طریقا یلتمس فیه علما إلا سهل الله له طریقا إلی الجنة ومن أبطأ به عمله لم یسرع به نسبه وما جلس قوم فی بیت من بیوت الله یتدارسون کتاب الله ویتعلمونه بینهم إلا غشیتهم الرحمة ، وحفتهم الملائکة ، وذکرهم الله فیمن عنده ، وکانوا أضیافه حتی یخوضوا فی حدیث غیره(الزهد لوکیع، حدیث نمبر ۵۰۹)

ترجمہ: جو آدمی بھی کسی راستے پر علم حاصل کرنے کے لئے چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی طرف راستے کو آسان بنا دیتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا، اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کی درس وتدریس کرتی ہے، اور باہم اس کا علم حاصل کرتی ہے، تو اس کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان لوگوں میں کرتے ہیں، جو اللہ کے پاس ہیں (یعنی فرشتے) اور وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں، یہاں تک کہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہوجائیں (ترجمہ ختم)

اس روایت میں کتابُ اللہ کے تدارس اور تعلُّم کے الفاظ ہیں۔

اور ایک روایت میں تذاکر اور تدارس کے الفاظ ہیں، چنانچہ مسند دارمی میں ہے کہ:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوتِ اللّٰہِ یَتَذَاکَرُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَیَتَدَارَسُونَہُ بَیْنَھُمْ، إِلَّا أَظَلَّتْھُمُ الْمَلَائِکَةُ بِأَجْنِحَتِھَا حَتّٰی یَخُوضُوا فِی حَدِیثٍ غَیْرِہٖ .وَمَنْ سَلَکَ طَرِیقًا یَبْتَغِی بِہِ الْعِلْمَ، سَھَّلَ اللّٰہُ طَرِیقَہُ إِلَی الْجَنَّةِ، وَمَنْ أَبْطَأَ بِہِ عَمَلُہُ، لَمْ یُسْرِعْ بِہِ نَسَبُہُ (سنن الدارمی، حدیث نمبر ۳۶۸، باسناد صحیح)

ترجمہ: جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کا مذاکرہ اور اس کی

درس وتدریس کرتی ہے، تو فرشتے ان کے اوپر اپنے پروں سے سایہ کرلیتے ہیں، یہاں تک کہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہوجائیں، اور جو آدمی بھی کسی راستے پر علم حاصل کرنے کے لئے چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی طرف راستے کو آسان بنادیتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (ترجمہ ختم)

''تذاکر'' اور ''تدارس'' سے معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی تعلیم وتعلم اور تدریس وتبلیغ کرتے ہیں۔

اور بعض روایات میں درس کے ساتھ تعاطی کے الفاظ ہیں، چنانچہ بیہقی وغیرہ میں ہے کہ:

مَا جَلَسَ قَوُمٌ فِی بَیُتٍ مِنُ بُیُوتِ اللهِ یَدُرِسُونَ کِتَابَ اللهِ وَیَتَعَاطَوُنَهُ بَیُنَهُمُ، إِلَّا کَانُوا أَضُیَافَ اللهِ، وَأَظَلَّتُ عَلَیُهِ الْمَلَائِکَةُ بِأَجُنِحَتِهَا مَا دَامُوا فِیهِ حَتّٰی یَخُوضُوا فِی حَدِیثٍ غَیُرِهِ، وَمَا سَلَکَ رَجُلٌ فِی طَرِیقٍ یَبُتَغِی فِیهِ الْعِلُمَ إِلَّا سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ سَبِیلًا إِلَی الْجَنَّةِ وَمَنُ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمُ یُسُرِعُ بِهِ نَسَبُهُ (شعب الإیمان للبیهقی، حدیث نمبر ۱۶۶۱، وحدیث نمبر ۱۸۷۲، الدعاء لمحمد بن فضیل الضبی، حدیث نمبر ۲۰۳، أَخُلَاقُ حَمَلَةِ الْقُرُآنِ لِلآجُرِّیِّ، حدیث نمبر ۲۱)

ترجمہ: جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کی درس وتدریس کرتی ہے، اور کتابُ اللہ کو ایک دوسرے سے حاصل کرتی (سیکھتی) ہے، تو وہ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، اور ان پر فرشتے اپنے پروں سے سایہ کرلیتے ہیں، جب تک کہ وہ کتاب اللہ کی درس وتدریس اور ایک دوسرے سے حاصل کرنے میں مشغول رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہوجائیں، اور جو شخص بھی کسی راستے میں علم کو تلاش کرنے کے لئے چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو آسان بنادیتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (ترجمہ ختم)

ان سب روایات سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث کی مزید تشریح ہوجاتی ہے، کہ دراصل یہ فضیلت علمِ دین اور قرآن مجید سیکھنے سکھانے اور اس کے ذریعہ وعظ وتبلیغ کے لئے ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید یا کتابُ اللہ کے لئے جمع ہونے کی یہ فضیلت اصلاً ان لوگوں کے لئے ہے، جو کہ قرآن مجید کی تعلیم وتعلُّم اور تدریس کے لئے جمع ہوتے ہیں، جیسا کہ دینی مدارس میں طلبۂ کرام کا معاملہ ہے۔

Idara Ghufran

اور کوئی ایک قرآن مجید پڑھے اور دوسرے سنیں، یہ بھی ایک حیثیت سے قرآن مجید سے تبلیغ وتذکیر اور اس کے تدارس میں داخل ہے، کیونکہ یہ بھی قرآن مجید سے تبلیغ ہے، اور صحابۂ کرام کے حالات میں بھی یہ چیز ملتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسُوا كَانَ حَدِيثُهُمْ -يَعْنِي الْفِقْهَ -إِلَّا أَنْ يَقْرَأَ رَجُلٌ سُورَةً أَوْ يَأْمُرَ رَجُلًا بِقِرَاءَةِ سُورَةٍ "(مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۲۹۴، واللفظ لہٗ،المدخل إلی السنن الکبری للبیهقی، حدیث نمبر ۳۲۳)

ترجمہ: نبی ﷺ کے صحابۂ کرام جب کوئی مجلس قائم فرماتے تھے، تو اُن کی فقہ کے متعلق گفتگو ہوتی تھی، مگر یہ کہ کوئی ایک آدمی (قرآن مجید کی) کوئی سورت قرأت کرتا (اور دوسرے قرأت کو سنتے) یا کسی آدمی کو کسی سورت کی قرأت کا حکم فرماتے (تا کہ دوسرے سنیں) (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مجالس دین دیکھنے سکھانے کے لئے منعقد ہوتی تھیں، پھر بعض اوقات کوئی ایک قرآن مجید کی قرأت کرتا، اور دوسرے اس کی قرأت کو خاموشی سے سنتے تھے، اور اس سے تذکیر حاصل کرتے تھے۔

اور روایات میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا دین سیکھنے سکھانے اور عبرت آمیز واقعات وقصص سننے سنانے کے لئے مجالس کے قائم کرنے کا ذکر ہے (الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم، حدیث نمبر ۲۵۶۲)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب جمع ہوتے تھے، تو یا تو فقہ ودین کے متعلق مذاکرہ فرماتے تھے، یا کوئی ایک قرآن مجید پڑھتا، اور باقی سنتے تھے۔

اور ایک کے قرآن مجید پڑھنے اور باقی کے خاموشی سے سننے کی وجہ یہی ہے کہ قرآن مجید ایک حیثیت سے وعظ وتذکیر میں داخل ہے، بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو قرآن مجید کے معانی کو سمجھتے بھی ہوں، اور اسی وجہ سے جب قرآن مجید پڑھا جائے، تو اسے خاموشی کے ساتھ سننے کا حکم ہے۔

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے کہ:

قلت لا شک ان فی الجهر بالقران أحادیث کثیرة والآثار من الصحابة والتابعین اکثر من ان تحصی لکن فیمن لا یخاف ریاء ولا إعجابا ولا غیرهما من القبائح ولا یؤذی جماعة یلبس علیهم صلواتهم ویخلطها علیهم فمن خاف شیئا من ذلک فلا یجوز له الجهر وان لم یخف استحب

الجهر فان كانت القراء ة فى جماعة مجتمعين مستمعين تأكد استحباب الجهر لكن لا يجوز كمال الجهر وان يجهد الرجل نفسه فى الجهر لقوله تعالى ودون الجهر من القول روى محمد ص فى موطاه عن مالك عن عمه ابى سهيل عن أبيه ان عمر بن الخطاب كان يجهر بالقراء ة فى الصلاة وانه كان يسمع قراءة عمر بن الخطاب عند دارابى جهيم فقال محمد الجهر بالقران فى الصلاة فيما يجهر بالقراء ة حسن ما لم يجهد الرجل نفسه والله اعلم. فان قيل الجهر بالذكر والدعاء بدعة والسنة فيهما الإخفاء كما مر المسألة فى تفسير قوله تعالى ادعوا ربكم تضرعا وخفية فما وجه الفرق بين الذكر وقراء ة القران مع ان القراء ة ايضا ذكر .

قلنا القران مشتمل على الوعظ والقصص الموجبة للعبرة والاحكام ونظمه معجز جاذب للقلوب السقيمة الى الإسلام ولذا قال الله تعالى وان أحد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلام الله وقراء ته باللسان عبادة زائدة على الذكر الذى هو عبادة عن طرد الغفلة عن الجنان وإسماعه غيره عبادة اخرى مرغوبة عند الرحمن بخلاف الذكر والدعاء فان المقصود من الدعاء الاجابة ومن الذكر النسيان عما يشغله من العزيز المنان حتى يسقط عن بصيرته نفس الذكر بل الذاكر ايضا ولا يبقى فى بصيرته الا الواحد القهار (التفسير المظهرى، ج۳ص۴۵۴،تحت آيت ۲۰۵، من سورة الاعراف)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید کو جہر کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں کثرت سے احادیث اور صحابہ اور تابعین کے اتنے آثار ہیں، کہ جو شمار سے زیادہ ہیں، لیکن اس شخص کے حق میں کہ جس کو ریاء اور خود پسندی وغیرہ جیسے قبائح کا خوف نہ ہو، اور نہ دوسرے لوگوں کو ایذاء پہنچے کہ ان پر ان کی نماز میں التباس اور اختلاط پیدا ہو جائے، پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کا خوف رکھتا ہے، تو اس کے لئے جہر جائز نہیں، اور اگر خوف نہیں رکھتا، تو جہر مستحب ہے، پھر اگر قرآن مجید کی قرأت چند ایسے لوگوں میں ہو، جو سب اکٹھے ہوں، اور قرآن مجید کو سن رہے ہوں، تو اس میں جہر کے مستحب ہونے کی تاکید ہوگی، لیکن جہر کی انتہاء جائز نہ ہوگی، اور نہ ہی یہ چیز جائز ہے کہ آدمی اپنے آپ کے لئے (نہ کہ کسی کو سنانے

کے لئے) جہر کرنے میں مجاہدہ کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ''ودون الجہر من القول''
اور امام محمد نے مؤطا میں امام مالک سے اور انہوں نے اپنے چچا ابو سہیل سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نماز میں جہری قرأت فرماتے تھے، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قرأت دارِ ابی جہیم تک سنائی دیتی تھی، پھر امام محمد نے فرمایا کہ نماز میں قرآن کو جہراً پڑھنا اُن نمازوں میں بہتر ہے، جن میں قرآن مجید کو جہراً پڑھا جاتا ہے، جب تک کہ آدمی اپنے ساتھ مجاہدہ (مشقت وغلو) نہ کرے۔ واللہ اعلم۔ اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ذکر اور دعا تو جہراً کرنا بدعت ہے، اور ان کو خفیہ کرنا سنت ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے قول ''ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ'' کی تفسیر کے ضمن میں گزر چکا ہے۔
تو پھر ذکر اور قرآن مجید کی قرأت میں کیا فرق ہوا (کہ اس میں جہر کو بدعت کے بجائے مستحب قرار دیا گیا ہے) جب کہ قرأت بھی ذکر ہے؟
ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ قرآن مجید دراصل وعظ اور ایسے قصوں پر مشتمل ہے، جن سے عبرت حاصل ہوتی ہے، اور شریعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں، نیز قرآن مجید کے الفاظ کی ترتیب اور انداز بھی معجزانہ ہے، جو کمزور دلوں کو اسلام کی طرف کھینچ کر لاتا ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (سورة التوبة آيت ٦)
''اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دیجئے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے''
اور کلام اللہ، کی زبان سے قرأت کرنا اس (دوسرے) ذکر سے زائد عبادت ہے، جو کہ دل سے غفلت دور کرنے کی عبادت ہے، اور اس (کلامُ اللہ) کا دوسرے کو سنانا ایک الگ عبادت ہے، جو رحمٰن کے نزدیک مرغوب ہے، بخلاف ذکر اور دعا کے (کہ یہ دوسرے کو سنانا عبادت نہیں، بلکہ صرف دل سے غفلت دور کرنے کی عبادت ہے) کیونکہ دعا سے مقصود قبولیت اور ذکر سے مقصود ان چیزوں کو بھلا دینا ہے، جو اسے اللہ عزیز منان سے غافل کردیں، یہاں تک کہ اس کی خود ذکر بلکہ ذکر کرنے والے سے بھی توجہ ہٹ کر اس کی توجہ میں

صرف اور صرف اللہ واحد قہار ہی باقی رہ جائے (لہٰذا اس کے لئے نہ دوسرے کو سنانے کی ضرورت ہے، اور نہ مجمع کی) (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ قرآن مجید دوسرے کو سنانے کے لئے جہراً پڑھنا اور تلاوت کرنا بھی تذکیر و تبلیغ میں داخل ہے۔

اور جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے کہ سب مل کر جہراً قرأت کریں، خاص کر جبکہ سب ایک ہی قسم کی قرأت کا التزام کریں، جیسا کہ مروجہ ذکر میں ہوتا ہے، تو فقہائے کرام نے اس صورت کو مستحب بلکہ جائز قرار نہیں دیا۔

لہٰذا قرآن مجید کے لئے جمع ہونے کی فضیلت سے متعلق بعض اجمالی روایات سے یہ سمجھنا کہ ان سے قرآن مجید کی نفسِ تلاوت پر اور پھر اس پر قیاس کرکے ذکر پر اور اس سے بڑھ کر ایک ہی قسم کی قرأت و ذکر پر سب کا آواز ملا کر جمع ہونے کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے، یہ درست نہیں۔

(کذافی: البیان والتحصیل والشرح والتوجیہ والتعلیل لمسائل المستخرجة، لابی الولید محمد بن أحمد بن رشد القرطبی، کتاب الجامع الثامن، فیما روی أنه من أشراط الساعة، المدخل لابن الحاج، فَصْلٌ فِی الْعَالِمِ وَكَيْفِيَّةِ نِيَّتِهِ، مرقاة ج ۱ ص ۳۲۷، کتاب العلم)

اب اس سلسلہ میں فقہائے کرام کی چند عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وَاتِّخَاذُ الدَّعْوَةِ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَجَمْعُ الصُّلَحَاءِ وَالْقُرَّاءِ لِلْخَتْمِ اَوْ لِقِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ اَوِ الْاِخْلَاصِ (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۴۰، باب صلاة الجنازة)

ترجمہ: اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے دعوت دینا اور نیک لوگوں اور قاریوں کا ختم کے لئے، یا سورہ انعام کی یا سورہ اخلاص وغیرہ کی قراءت کے لئے جمع ہونا (بھی مکروہ ہے) (ترجمہ ختم)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

قِرَاءَةُ الْكَافِرُوْنَ إِلَى الْآخِرِ مَعَ الْجَمْعِ مَكْرُوْهَةٌ لِأَنَّهَا بِدْعَةٌ لَمْ تُنْقَلْ عَنِ الصَّحَابَةِ وَلَا عَنِ التَّابِعِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ كَذَا فِي الْمُحِيْطِ (الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع فی الصلاة)

ترجمہ: سورہ کافرون کی آخر تک جمع ہو کر قرائت کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ بدعت ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے منقول نہیں، محیط میں اسی طرح سے ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أَمَّا الْحُفَّاظُ يَجْتَمِعُوْنَ لِلْقِرَاءَةِ يَقْرَءُوْنَ مَعًا لِلثَّوَابِ فَلَيْسَ مِنْ فِعْلِهِمْ وَلَا بِمَرْوِيٍّ عَنْهُمْ (المدخل لابن الحاج جلد ا فصل فی العالم و کیفیة نیته)

ترجمہ: حافظوں کا تلاوت کے لیے جمع ہونا تا کہ وہ ایک ساتھ مل کر ثواب کے لیے قرآن پڑھیں، تو یہ صحابہ وسلف کے فعل سے ثابت نہیں، اور نہ ہی اُن سے قولاً مروی ہے (ترجمہ ختم)

اور المحیط البرہانی میں ہے کہ:

قراءة الفاتحة بعد المكتوبة لأجل المهمات مخافته أو جهراً مع الجمع مكروهة، وكذلك قراءة الكافرون مع الجمع مكروهة؛ لأنها بدعة لم ينقل عن الصحابة، وعن التابعين رضوان الله عليهم أجمعين (المحيط البرهانی، ج۵ص ۳۱۲، كتاب الاستحسان والكراهية ،الفصل الرابع فی الصلاة، والتسبيح، وقراء ة القرآن، والذكرالخ، دارالكتب العلمية، بيروت)

ترجمہ: فرضوں کے بعد سورہ فاتحہ کا مہمات کے لئے آہستہ یا جہراً جمع ہو کر قرأت کرنا مکروہ ہے، اور اسی طرح سورہ کافرون کی قرأت جمع ہو کر مکروہ ہے، کیونکہ یہ بدعت ہے، صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی نہیں (ترجمہ ختم)

اور امداد الفتاویٰ میں ایک سوال وجواب درجِ ذیل طریقہ پر ہے:

سوال: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصالِ ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام واوقاتِ متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اپنے دوست واحباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

الجواب: یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے، ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ

(امداد الفتاویٰ، ج ۱صفحہ ۵۳۹، ۵۴۰، باب الجنائز، وجلد ۴صفحہ ۶۰۵و۶۰۶)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت ابو مسلم اغر نے نقل کی ہے، اس میں قرآن مجید کی تلاوت وتعلیم اور تدریس کے بجائے مطلق ذکر کے الفاظ ہیں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ ذکر کا مفہوم عام ہے، جس سے بہت سے اہلِ علم کے نزدیک مذکورہ تفصیل کے مطابق وعظ وتذکیر اور قرآن مجید کا درس ہی مراد ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

(جاری ہے...........)

بسلسلہ: تاریخی معلومات — مولانا طارق محمود

ماہِ جمادی الاولیٰ: پانچویں نصف صدی کے اجمالی حالات وواقعات

☐......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۰۱ھ: میں حضرت ابوعمر احمد بن عبدالملک بن ہاشم اشبیلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۲۰۷)

☐......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۰۲ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن جعفر بن محمد بن ہارون بن فروہ بن ناجیہ بن مالک تمیمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۱۰۱، تاریخِ بغداد ج۲ ص۱۵۷)

☐......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۰۳ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ خوارزمی بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۲۳۵)

☐......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۰۴ھ: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن عثمان بن علی ضریر مقری مجاہدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۸ ص۸۳)

☐......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۰۵ھ: میں حضرت ابوالحسن احمد بن ابراہیم بن احمد بن علی بن فراس عبقسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۱۸۳)

☐......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۰۶ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن جعفر بن حمدان بن دخان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۱۲ ص۴۱)

☐......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۰۷ھ: میں شیخ الاسلام حضرت ابوسعد عبدالملک بن ابی عثمان محمد بن ابراہیم نیشاپوری واعظ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۲۵۷)

☐......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۱۰ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن ابراہیم ابن الصینی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۳ ص۹۵)

☐......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۱۲ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رزق بن عبداللہ بن یزید بن خالد بزاز ابن رزقویہ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۱ ص۳۶۹)

☐......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۱۳ھ: میں حضرت علی بن ہلال بن البواب بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۳۱۸)

Idara Ghufran

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۱۵ھ: میں حضرت ابوبکر عمر بن روح بن علی بن عباد نہروانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۲۷۰)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۱۸ھ: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن محمد بن عبداللہ بن عبدالصمد مہتدی باللہ ہاشمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۵ ص ۲۵۳)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۲۰ھ: میں حضرت ابوالفرج حسین بن عبداللہ بن احمد بن حسن بن ابی علانہ مقری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(تاریخِ بغداد ج۸ ص ۶۰)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۲۱ھ: میں فاتح ہند ابولقاسم سلطان محمود بن سبکتگین ترکی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ سلطان محمود غزنوی کے نام سے مشہور تھے(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۴۸۸)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۲۳ھ: میں حضرت محمد بن عبدالعزیز بن جعفر بن محمد بن حسن مکی برذعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۳ ص ۱۵۶)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۲۵ھ: میں حضرت ابوالحسن وشاح بن عبداللہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
(تاریخِ بغداد ج۱۳ ص ۴۹۷)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۲۶ھ: میں ابوعامر احمد بن ابی مروان عبدالملک بن مروان بن احمد بن عبدالملک بن عمر بن شہید اشجعی قرطبی شاعر کی وفات ہوئی(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۰۲)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۲۸ھ: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن علی بن حسین بن ابراہیم بن محمد بن علی بن بطحا تمیمی محتسب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۸ ص ۷۷)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۲۹ھ: میں حضرت ابومحمد حسن بن علی بن صقر کاتب مقری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۷ ص ۴۰۱)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۳۰ھ: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن محمد بن حسن بن علی مؤدب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۸ ص ۱۰۸)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۳۱ھ: میں حضرت ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز بن احمد حلبی سراج رامی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۴۹۸)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۳۲ھ: میں حضرت ابوالقاسم عبدالباقی بن محمد بن احمد بن زکریا بغدادی طحان رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۲۷)

Idara Ghufran

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۳۳ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن احمد بن علی بن محمد بن جعفر بن ہارون رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۳۴۱)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۳۵ھ: میں حضرت ابوالحسین محمد بن عبدالواحد بن علی بن رزمہ بزاز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۱۵،تاریخِ بغداد ج۳ص ۱۶۴)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۳۶ھ: میں حضرت ابوالحسین عبدالعزیز بن عبدالرزاق بن عیسیٰ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(تاریخِ بغداد ج۱۰ ص ۴۶۸)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۳۷ھ: میں حضرت ابومنصور محمد بن احمد بن یوسف بن محمد بزاز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۳۹۵)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۳۸ھ: میں حضرت ابوبشر محمد بن ابی السکری عمر بن ابراہیم بن غیاث رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(تاریخِ بغداد ج۳ص ۲۵۱)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۳۹ھ: میں حضرت ابومحمد حسن بن ابی طالب محمد بن حسن بن علی بغدادی خلال رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۹۳،تاریخِ بغداد ج۷ص ۴۳۸،طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۶،تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۱۱۱۰)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۴۰ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن حسین بن عثمان بن حسن ہمذانی خباز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(تاریخِ بغداد ج۹ ص ۴۵۱)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۴۵ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن عبیداللہ بن محمد ہمذانی کسائی صوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۶۵۳)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۴۶ھ: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن جعفر بن محمد بن داؤد بن حسن بن سلماسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(تاریخِ بغداد ج۸ص ۲۹)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۴۸ھ: میں حضرت ابوالحسین محمد بن حسین بن علی بن ترجمان عزی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص ۵۱)

□......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۴۸ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران اموی بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص ۶۰)

مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی حلال نہیں

اورحضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ هَذَا وَیُعْرِضُ هَذَا وَخَیْرُهُمَا الَّذِی یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ (مسلم، حدیث نمبر ۶۶۹۷، واللفظ لهٗ؛ بخاری، کتاب الاستئذان)

ترجمہ: مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے کہ دونوں ملاقات کریں تو یہ (سلام کیے بغیر) اِدھر پھر جائے، اور وہ اُدھر پھر جائے؛ اوران دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے (ترجمہ ختم)

اورحضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَکُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، وَلَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ، یَلْتَقِیَانِ فَیَصُدُّ هَذَا وَیَصُدُّ هَذَا، وَخَیْرُهُمَا الَّذِی یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ (مسند احمد، حدیث نمبر ۱۳۳۵۴)

ترجمہ: (مسلمانو!) نہ ایک دوسرے سے بُغض رکھو، اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، اور نہ ایک دوسرے سے قطع تعلقی کرو، اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، اور مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے کہ دونوں ملاقات کریں تو یہ اِدھر پھر جائے، اور وہ اُدھر پھر جائے؛ اوران دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے (ترجمہ ختم)

Idara Ghufran

سلام میں پہل کرنا قطع تعلقی سے بچنے کا طریقہ

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا تَحِلُّ الْهِجْرَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، فَإِنِ الْتَقَيَا فَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ فَرَدَّ عَلَيْهِ الْآخَرُ السَّلَامَ اشْتَرَكَا فِي الْأَجْرِ، وَإِنْ أَبَى الْآخَرُ أَنْ يَرُدَّ السَّلَامَ بَرِءَ هٰذَا مِنَ الْإِثْمِ وَبَاءَ بِهِ الْآخَرُ، وَقَدْ خَشِيتُ إِنْ مَاتَا وَهُمَا مُتَهَاجِرَانِ أَنْ لَا يَجْتَمِعَا فِي الْجَنَّةِ (المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث نمبر ۸۹۳۰، واللفظ لہٗ؛ مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۷۲۹۱)

ترجمہ: تین دن سے زیادہ (مسلمان سے) قطع تعلقی حلال نہیں، پھر اگر (تین دن کے بعد) وہ دونوں (مسلمان) مل جائیں، اور اُن میں سے ایک نے دوسرے کو سلام کرلیا، اور دوسرے نے سلام کا جواب دیدیا، تو وہ دونوں (مسلمان) اجر (وثواب) میں برابر ہیں، اور اگر دوسرے نے سلام کا جواب دینے سے (عملاً) انکار کردیا (یعنی سلام کا جواب نہ دیا) تو یہ (سلام کرنے والا) گناہ سے بری (اور علیٰحدہ) ہوگیا، اور (قطع تعلقی کا) گناہ دوسرے کو ہوگا، اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر وہ دونوں قطع تعلقی کی حالت میں مَر گئے تو وہ دونوں جنت میں اکٹھے نہیں ہوں گے (ترجمہ ختم)

Idara Ghufran

مسلمانوں کوایک دوسرے کوسلام کرنے کی تاکید

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ، أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ أَيْضًا (ابوداود، حديث نمبر ۵۲۰۰، كتاب الادب، بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُفَارِقُ الرَّجُلَ ثُمَّ يَلْقَاهُ أَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ؟)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنے (مسلمان) بھائی سے ملاقات کرے، تو اُسے چاہیے کہ اُسے سلام کرے، پھر اگر ان دونوں کے درمیان کوئی درخت، یا دیوار یا پتھر آ جائے، اور پھر ملاقات ہو، تو پھر دوبارہ سلام کرے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

إِذَا اصْطَحَبَ رَجُلَانِ مُسْلِمَانِ فَحَالَ بَيْنَهُمَا شَجَرٌ وَحَجَرٌ وَمَدَرٌ فَلْيُسَلِّمْ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخِرِ، وَيَتَبَادَلَانِ السَّلَامَ " (شعب الايمان، حديث نمبر ۸۴۷۱)

ترجمہ: جب جب بھی کوئی دو مسلمان آپس میں ملیں، اور ان دونوں کے درمیان کوئی درخت، اور پتھر اور مٹی کا ڈھیر آتا رہے، تو اُن میں سے ایک کو چاہیے کہ دوسرے کو سلام کرتا رہے، اور وہ دونوں ایک دوسرے پر سلام کا تبادلہ کرتے رہیں (ترجمہ ختم)

صحابہ کا ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا إِذَا كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَفَرَّقَ بَيْنَنَا الشَّجَرَةُ، فَإِذَا الْتَقَيْنَا يُسَلِّمُ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ (المعجم الاوسط، حديث نمبر ۷۹۸۷)

ترجمہ: ہم (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے، اور ہمارے درمیان درخت حائل ہوجاتا تو پھر جب ہم اکٹھے ہوتے، تو ہمارے بعض بعضوں کو سلام کرتے (ترجمہ ختم)

اورایک دوسری روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَمَاشَوْنَ، فَإِذَا لَقِيتهُمْ شَجَرَةٌ أَوْ أَكَمَةٌ تَفَرَّقُوا يَمِينًا أَوْ شِمَالًا، فَإِذَا الْتَقَوْا مُرُورًا بِهَا سَلَّمَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ

(شرح مشكل الآثار، جزء۱۳، واللفظ لهٗ؛ شعب الايمان؛ الادب المفرد للبخارى؛ عمل اليوم والليلة لابن السنى)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (جب) راستے میں چل رہے ہوتے تھے، اور سامنے کوئی درخت، یا ٹیلہ وغیرہ آجاتا تھا، تو وہ دائیں یا بائیں ہوکر ایک دوسرے سے جدا ہوجاتے تھے، پھر جب اُس (رکاوٹ) سے گزرکر (دوبارہ) ملتے، تو اُن (صحابہ) میں سے بعض بعض کو سلام کرتے تھے (ترجمہ ختم)

Idara Ghufran

بسلسلہ: آدابُ المعاشرت مفتی محمد رضوان

رشتہ داروں کے ساتھ مال کے ذریعہ سے صلہ رحمی

جن چیزوں کے ذریعہ سے صلہ رحمی کی جاتی ہے، ان میں سے بعض چیزیں مال سے تعلق رکھتی ہیں، اور بعض بدن سے۔یعنی ضرورت مند رشتہ داروں کی مالی تعاون ومدد کے ذریعہ سے بھی صلہ رحمی کی جاتی ہے، اور بدن کے ذریعہ سے ان کو راحت وخوشی کا سامان فراہم کرکے بھی۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ(سورة النور آیت ۲۲)

ترجمہ: اورتم میں سے جولوگ فضل اور کشائش والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہیں کریں گے، انہیں معافی اور درگزر ہی سے کام لینا چاہیے کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کردے؟ اور اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا نہایت ہی مہربان ہے(ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مال کے اعتبار سے صاحبِ حیثیت بنایا ہے، انہیں اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کی مدد کرنے سے گُریز نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ انسان کے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں۔

اور اس آیت کے نازل ہونے کا ایک خاص پسِ منظر ہے۔

چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض لوگوں نے تہمت لگائی، تو ان کی براءۃ نازل ہونے سے پہلے بعض سادہ لوح مسلمانوں نے بھی کچھ کلمات کہہ دیئے تھے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو کہ مسکین وغریب تھے، اور ان پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خرچ کیا کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ قسم اٹھالی تھی کہ:

وَاللَّهِ لاَ أُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا، بَعْدَ الَّذِى قَالَ لِعَائِشَةَ .فَأَنْزَلَ اللَّهُ :(وَلاَ

يَأْتَلِ أُولُو الفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ، أَنْ يُؤْتُوا أُولِي القُرْبَى) الآيَةَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ ": بَلَى وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لِي، فَرَجَعَ إِلَى مِسْطَحٍ النَّفَقَةَ الَّتِي كَانَ يُنفِقُ عَلَيْهِ، وَقَالَ :وَاللَّهِ لاَ أَنْزِعُهَا عَنْهُ أَبَدًا "(بخاری، حدیث نمبر ۶۶۷۹)

ترجمہ: اللہ کی قسم! میں آئندہ کبھی بھی مسطح پر کچھ خرچ نہ کروں گا، کیونکہ انہوں نے عائشہ کے بارے میں نازیبا الفاظ کہے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی یہ آیت نازل فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ’’اور تم میں سے جو لوگ فضل اور کشائش والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہیں کریں گے، انہیں معافی اور درگزر ہی سے کام لینا چاہیے کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا نہایت ہی مہربان ہے‘‘

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک اللہ کی قسم! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادیں۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت مسطح پر اسی طرح خرچ کرنا شروع کر دیا، جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے، اور کہا اللہ کی قسم! میں ان پر خرچ کرنے کو کبھی نہیں روکوں گا (ترجمہ ختم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید میں جو رشتہ دار سے معافی اور درگزر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا وعدہ ہے، تو میں اسی کو پسند کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے اپنی قسم کو توڑا، اور اس کا کفارہ ادا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت مند رشتہ دار پر خرچ کرنے سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی اور مغفرت کا معاملہ ہوتا ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں کی جاتی، جیسا کہ احادیث میں آگے اس کا ذکر آتا ہے۔

اور حضرت مالک بن نضر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ ابْنَ عَمٍّ لِي أَتَيْتُهُ أَسْأَلُهُ فَلا يُعْطِينِي وَلا يَصِلُنِي، ثُمَّ يَحْتَاجُ إِلَيَّ فَيَأْتِينِي فَيَسْأَلُنِي، وَقَدْ حَلَفْتُ أَنْ لَا أُعْطِيَهُ وَلا أَصِلَهُ، فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَأُكَفِّرَ عَنْ يَمِينِي (سنن نسائی، حدیث نمبر ۳۷۸۸، واللفظ لہٗ، السنن الکبریٰ للنسائی، حدیث نمبر ۴۷۱۲)

Idara Ghufran

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس اپنی کسی ضرورت کا سوال کرنے کے لئے جاتا ہوں، اور وہ میری مدد نہیں کرتا، اور نہ میرے ساتھ صلہ رحمی کرتا، پھر اس کو میری طرف کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے، اور وہ میرے پاس آکر اس ضرورت کا سوال کرتا ہے، اور میں یہ قسم کھا چکا ہوں کہ اس کو نہیں دوں گا، اور نہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں گا (میرے لئے کیا حکم ہے؟) تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اس کام کو کروں، جو خیر والا ہے (یعنی صلہ رحمی) اور اپنی قسم کا کفارہ دوں (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت مند رشتہ دار کی مالی اعانت کے ذریعہ سے صلہ رحمی کرنا اتنا اہم عمل ہے، کہ اس کی خاطر قسم کو بھی توڑا جاسکتا ہے، اور بے شک دوسرا رشتہ دار قطع رحمی کرے، تب بھی اس کے ساتھ صلہ رحمی کرنا ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے (مرقاۃ، ج۶ ص ۲۲۴۵، کتاب العتق، باب الایمان والنذور)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ :(لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ)قَالَ أَبُو طَلْحَةَ : أَرَى رَبَّنَا يَسْأَلُنَا مِنْ أَمْوَالِنَا، فَأُشْهِدُكَ يَا رَسُولَ اللهِ، أَنِّي قَدْ جَعَلْتُ أَرْضِي بَرِيحَا لِلَّهِ، قَالَ :فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اجْعَلْهَا فِي قَرَابَتِكَ قَالَ :فَجَعَلَهَا فِي حَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ(مسلم،حديث نمبر ۹۹۸)

ترجمہ: جب (سورہ آل عمران کی) یہ آیت نازل ہوئی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ''تم کامیابی کو نہیں پاسکتے، یہاں تک کہ تم اس مال میں سے خرچ نہ کردو، جس کو تم پسند کرتے ہو'' تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا رب ہمارے مال میں سے صدقہ چاہتے ہیں، تو اے اللہ کے رسول! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی ''ریحاء'' جگہ کو اللہ کے راستہ میں دے دیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ اس کو اپنے (ضرورت مند) رشتہ داروں کو دیں، تو حضرت ابوطلحہ نے یہ زمین حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب کو دے دی (ترجمہ ختم)

حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے کچھ رشتہ دار اور ضرورت مند تھے، اس لئے انہوں نے یہ جگہ ان کو دے دی۔

Idara Ghufran

اس سے ضرورت مند رشتہ داروں کی مالی امداد کے ذریعہ سے صلہ رحمی کی فضیلت واہمیت معلوم ہوئی۔

اور حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَيُّمَا رَجُلٍ أَتَاهُ ابْنُ عَمِّهِ فَسَأَلَهُ مِنْ فَضْلِهِ، فَمَنَعَهُ، مَنَعَهُ اللَّهُ فَضْلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (المعجم الاوسط للطبرانی ،حدیث نمبر ج۵ ۱۱۹۵ ، واللفظ لہ، المعجم الصغیر للطبرانی حدیث نمبر ۹۳) ۱

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کے پاس اس کا چچازاد بھائی آیا، اور اس نے اس سے کسی ضرورت کا سوال کیا، پھر اس نے اس کو منع کر دیا، تو اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فضل سے منع فرمادیں گے (ترجمہ ختم)

چچازاد بھائی کا ذکر بطورِ مثال کے کیا گیا ہے، ورنہ دوسرے رشتہ دار بھی اس حکم میں داخل ہیں۔

اور حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَا مِنْ ذِي رَحِمٍ يَأْتِي رَحِمَهُ، فَيَسْأَلُهُ فَضْلًا أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ فَيَبْخَلُ عَلَيْهِ إِلَّا أُخْرِجَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ جَهَنَّمَ حَيَّةٌ يُقَالُ لَهَا شُجَاعٌ يَتَلَمَّظُ فَيُطَوَّقُ بِهِ (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۲۳۴۳، واللفظ لہ، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر ۵۵۹۳) ۲

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو رشتہ دار بھی اپنے کسی دوسرے رشتہ دار کے پاس آ کر اس سے کسی ایسی ضرورت کا سوال کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس دوسرے رشتہ دار کو عطا فرمائی ہے، لیکن وہ اس کو دینے سے بخل کرتا ہے، تو اس کے لئے قیامت کے دن جہنم میں سے ایک سانپ نکالا جائے گا، جس کو شجاع کہا جاتا ہے، جو اپنی زبان سے اسے چاٹے گا، پھر اس کے گلے کا طوق بنادیا جائے گا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت زینب نے حضور ﷺ سے اپنے رشتہ دار یتیم بچوں اور اپنے مستحق شوہر پر صدقہ کرنے کے بارے میں سوال کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

لَهَا أَجْرَانِ أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ (بخاری حدیث نمبر ۱۳۷۳)

---

۱ قال الالبانی: حسن لغیرہ (صحیح الترغیب والترھیب ، تحت حدیث رقم ۸۹۷)

۲ قال المنذری: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط وَالْكَبِير بِإِسْنَاد جید (الترغیب والترھیب، ج۲ ص۱۸)

ترجمہ: حضرت زینب کو ان پر (نفلی) صدقہ کرنے سے دو اجر ہیں، ایک رشتہ داری کا اجر اور ایک صدقے کا اجر (ترجمہ ختم)

اس سے مراد نفلی صدقہ ہے، جو ضرورت مند و مستحق شوہر کو دینا بھی جائز ہے۔

اور ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلٰى ذِي الْقَرَابَةِ اِثْنَتَانِ :صِلَةٌ، وَصَدَقَةٌ(مسند احمد حديث نمبر ١٦٢٢٧،عن سلمان بن عامر الضبی)

ترجمہ: مسکین (یعنی عام مستحق وغریب) پر صدقہ کرنا، صدقہ ہے، اور قرابت دار پر صدقہ کرنا ،صلہ رحمی اور صدقہ دو چیزوں کا مجموعہ ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت اِم کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ عَلَى ذِي الرَّحِمِ الْكَاشِحِ (صحيح ابن خزيمة ج۴ص۷۷، حديث نمبر ٢٣٨٦، مستدرك حاكم حديث نمبر ١٤٧٥ ،وقال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل صدقہ عداوت (وبغض) رکھنے والے رشتہ دار پر ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّدَقَاتِ، أَيُّهَا أَفْضَلُ ؟ قَالَ:عَلَى ذِي الرَّحِمِ الْكَاشِحِ (مسند احمد حديث نمبر ١٥٣٢٠ باسناد صحيح)

ترجمہ: ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقات کے بارے میں سوال کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عداوت (وبغض) رکھنے والے رشتہ دار پر (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :إِنَّ أَفْضَلَ الصَّدَقَةِ الصَّدَقَةُ عَلَى ذِي الرَّحِمِ الْكَاشِحِ "(مسند احمد حديث نمبر ٢٣٥٣٠،باسناد صحيح)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل صدقہ عداوت (وبغض) رکھنے والے رشتہ دار پر ہے (ترجمہ ختم)

اورحضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

يَدُ الْمُعْطِيُ الْعُلْيَا وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ أُمَّکَ وَأَبَاکَ وَأُخْتَکَ وَأَخَاکَ ثُمَّ أَدْنَاکَ أَدْنَاکَ (سنن نسائی حدیث نمبر ۲۵۳۱ ،مستدرک حاکم،وقال صحیح)

ترجمہ: دینے والا ہاتھ اوپر والا ہے، اورآپ دینے میں اس سے ابتداء کریں، جس کی آپ کفالت کرتے ہوں، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بہن اوراپنے بھائی سے، پھر جوآپ کے قریب ہو، درجہ بدرجہ (ترجمہ ختم)

ان رشتہ داروں کاضرورت مند ہونے کی صورت میں درجہ بدرجہ نفقہ بھی انسان پرواجب ہے۔

(کذافی مرقاۃ المفاتیح، ج۷ص ۳۰۷۹، کتاب الآداب، باب البر والصلة،وعمدة القاری، ج۸ص ۲۷۳،کتاب الزکاة، باب الصدقة قبل الرد)

اورحضرت جابررضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

ابْدَأْ بِنَفْسِکَ فَتَصَدَّقْ عَلَيْهَا، فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ فَلِأَهْلِکَ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ أَهْلِکَ شَيْءٌ فَلِذِی قَرَابَتِکَ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ ذِی قَرَابَتِکَ شَيْءٌ فَهَكَذَا وَهَكَذَا يَقُولُ :فَبَيْنَ يَدَيْکَ وَعَنْ يَمِينِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ(مسلم،حدیث نمبر ۹۹۷)

ترجمہ: آپ اپنی ذات پرخرچ کرنے سے ابتداء کریں، پھراگر(ضروری اخراجات، نہ کہ اسراف وفضول خرچی کے بعد) کچھ بچ جائے،تواپنے گھروالوں پرخرچ کریں، پھراگرآپ کے گھروالوں سے بھی کچھ بچ جائے،تواپنے رشتہ داروں پرخرچ کریں، پھراگراپنے رشتہ داروں سے بھی کچھ بچ جائے،تواس طرح اوراس طرح یعنی اپنے آگے اور دائیں بائیں (کے ضرورت مندوں پر) خرچ کریں (ترجمہ ختم)

اپنے گھروالوں میں،اپنے عیال دار(بیوی، بچے) داخل ہیں۔

(کذافی:مرقاة ، ج۶ص ۲۲۲۳،کتاب العتق،باب إعتاق العبد المشترک وشراء القریب والعتق فی المرض،فیض القدیر للمناوی، تحت حدیث رقم ۴۶، ج ۱ص ۷۴،۷۵، حرف الهمزة)

اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَرَ النَّبِیُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -بِالصَّدَقَةِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ عِنْدِیْ دِيْنَارٌ .فَقَالَ تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى نَفْسِکَ .قَالَ عِنْدِیْ آخَرُ .قَالَ تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى وَلَدِکَ .قَالَ عِنْدِیْ آخَرُ .قَالَ تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى زَوْجَتِکَ .أَوْ قَالَ

زَوْجِکَ .قَالَ عِنْدِیْ آخَرُ .قَالَ تَصَدَّقْ بِہٖ عَلٰی خَادِمِکَ .قَالَ عِنْدِیْ آخَرُ .قَالَ أَنْتَ أَبْصَرُ .(ابوداوٗد حدیث نمبر ۱۶۹۳،کتاب الزکاۃ، واللفظ لہٗ، نسائی حدیث نمبر ۲۵۳۴،مسند احمد حدیث نمبر ۷۴۱۹،باسناد قوی)

ترجمہ: نبی ﷺ نے صدقہ کا حکم فرمایا،تو ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اپنے اوپر صدقہ کرو،اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اپنی اولاد پر صدقہ کرو،اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی زوجہ پر صدقہ کرو،اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اپنے خادم پر صدقہ کرو،اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ زیادہ جانتے ہیں(کہ آپ کی نظروں میں پھر کون مستحق ہے)(ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ درجہ بدرجہ جن کا نان نفقہ اپنے ذمہ واجب ہے،ان کا نان نفقہ ادا کرنا بھی صدقہ میں داخل ہے۔ یہ اسی حدیث کی تشریح ہے،جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل وعیال سے صدقہ کرنے کی ابتداء کا حکم فرمایا ہے۔رشتہ داروں کی عطیہ،ہدیہ،صدقہ اور زکاۃ ہر طرح کے مال سے مدد کرنا جائز ہے۔

البتہ والدین کا اولاد کو اور اولاد کا والدین کو اپنے مال کی زکاۃ اور واجب صدقات دینا جائز نہیں،اور اسی طرح کئی فقہاء کے نزدیک میاں بیوی کا ایک دوسرے کو اپنے مال کی زکاۃ دینا جائز نہیں۔

(کذافی:نھایة المحتاج إلی شرح المنھاج،فصل فی صدقة التطوع،وبدائع الصنائع، ج۲ص۴۰، کتاب الزکاۃ، فصل رکن الزکاۃ)

ان احادیث سے مستحق اور ضرورت مند رشتہ داروں کی مالی امداد کے ذریعہ سے صلہ رحمی کی فضیلت معلوم ہوئی۔

علم کے مینار مفتی محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

سرگذشت عہدِ گل (قسط ۴۳)

(سوانح حضرت اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دامت فیوضہم)

اصلاحی تعلق اور اصلاحی مکاتبت

پیچھے بالتفصیل گزر چکا ہے کہ آپ کے ابتدائی مصلح و مربی مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب شیروانی جلال آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ، ۱۳؍نومبر ۱۹۹۲ء) خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ العزیز) تھے، آپ کی زیرِ سرپرستی مدرسہ میں ہی حضرت مفتی صاحب نے تعلیم حاصل کی، اور تعلیم سے فراغت کے بعد بھی مفتی صاحب کچھ عرصہ حضرت جلال آبادی رحمہ اللہ کی خدمت میں اصلاح وتزکیہ کے لئے قیام پذیر رہے، جب حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، تو حضرت جی نے اسلام آباد میں حضرت اقدس حضرت نواب قیصر صاحب مدت فیوضہم (خلیفہ حضرت جلال آبادی وحضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمہما اللہ، اور مشرف بہ بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ العزیز) سے اصلاحی تعلق قائم کیا، اور عرصہ تک حضرت نواب صاحب مدت فیوضہم کی صحبتوں اور فیوضات سے مستفیض ہوئے، ۱۴۱۹ھ میں حضرت نواب صاحب مدت فیوضہم کی جانب سے آپ مجازِ بیعت ہوئے۔

حضرت نواب صاحب مدت فیوضہم کے ساتھ تعلق ومصاحبت کے اسی زمانے میں حضرت نواب صاحب دامت برکاتہم نے آپ کو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے بھی وابستہ کر دیا کہ بطورِ خاص علمی مکاتبت حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے رکھیں، اور اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے آپ کی براہِ راست سفارش فرمائی، اس کے بعد آپ اصلاحی وعلمی امور میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم سے وابستہ ہیں، اپنے فقہی مقالات وتالیفات کے مسودے بالعموم حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بھیجتے اور راہنمائی لیتے ہیں، اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اگرچہ انتہائی مصروف بزرگ ہیں، جس کی وجہ سے

آپ بالاستیعاب تمام فقہی وعلمی مواد پر تو نظرِ ثانی نہیں فرماسکتے، لیکن بایں ہمہ وقتاً فوقتاً آپ اپنی ہدایات وآراء سے مستفید فرماتے رہتے ہیں۔

اور حضرت نواب صاحب مدظلہم کی خدمت میں بھی حاضری دیتے رہتے ہیں، جس کی آپ کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کی طرف سے بھی ہدایت ہے۔

یہاں کہنے کی بات یہ تھی کہ حضرت جلال آبادی رحمہ اللہ سے فیض یاب ہونے کے باوجود حضرت کی وفات کے بعد آپ نے اپنے آپ کو اصلاح سے مستغنی نہیں سمجھا، حضرت نواب صاحب دامت فیوضہم سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، اور حضرت سے خرقۂ خلافت حاصل ہونے کے بعد باوجود حضرت نواب صاحب اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے اصلاحی تعلق کا سلسلہ قائم رکھا۔

یہی طرز وطریقہ ہمارے کئی اکابر مشائخ کا رہا ہے، اور بڑے حضرت جی حضرت نواب صاحب دامت فیوضہم کا بھی رہا ہے، حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری رحمہ اللہ سے خرقۂ خلافت پانے کے بعد اور حضرت کی وفات کے بعد حضرت جلال آبادی رحمہ اللہ کے ساتھ آپ نے اصلاحی تعلق ومکاتبت کا سلسلہ قائم فرمایا (حضرت نواب صاحب دامت برکاتہم کے یہ مکاتیب ''التبلیغ'' میں پچھلے سالوں میں شائع ہوچکے، اور اب حضرت نواب صاحب دامت برکاتہم کے سوانحِ حیات پر ادارہ غفران سے سے جو کتاب شائع ہوئی ہے، اس میں یہ مکاتیب جمع کردیئے گئے ہیں)

اسی طرح حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے بھی حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیئ عارفی صاحب رحمہ اللہ کے بعد حضرت جلال آبادی رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، اور مجازِ بیعت ہوئے۔

اپنے اہلِ خانہ کی دینی تربیت اور اصلاح کا اہتمام

اپنی ذات کے بعد اپنے بیوی، بچوں وغیرہ زیرِ کفالت عزیزوں اور ماتحت لوگوں کی شرعی اصولوں کے مطابق دینی تربیت، ان پر روک ٹوک اور نگرانی بھی ایک مسلمان کی ذمہ داریوں میں سے ہے (حسبِ آیت ''قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (سورۃ تحریم آیت ۶) اور حسبِ حدیث ''کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ'' بخاری)

راقم الحروف اور ادارہ کے بعض دیگر احباب جو حضرت جی مفتی صاحب دامت برکاتہم سے اصلاحی ربط وتعلق رکھتے ہیں، بیوی، بچوں کی دینی رہنمائی وتربیت اور گھر والوں سے حسنِ معاشرت اور ان کے متعلق

مسئولیت کے سلسلے میں حضرت جی سے جو استفادہ کرتے رہے ہیں، اور حضرت جی نے اپنی مخصوص اصلاحی مجالس میں ضمناً اور حکایۃً اپنے گھر والوں کی تربیت و اصلاح کے متعلق بعض دفعہ کچھ واقعات بیان کئے ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد گھر والوں کی اصلاح و تربیت کا مرحلہ آپ نے بڑے سلیقے اور عمدگی سے سر کیا ہے، آپ کے گھر والے ناز و نعم میں پرورش پائے ہوئے ازدواجی زندگی میں داخل ہوئے، ایک عورت کی طرح ایک مرد کے لئے بھی ازدواجی زندگی کا مرحلہ افراط و تفریط، غلو و بے اعتدالی، بیوی اور دیگر اہلِ حقوق میں سے کسی بھی صاحبِ حق کی حق تلفی اور بد معاملگی کے بغیر کامیابی سے سر کرنا، اعتدال و توازن قائم رکھنا، زندگی کا غالباً سب سے بڑا امتحان اور کھٹن و نازک اور دشوار گزار مرحلہ ہوتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس ناسوتی زندگی کا ایک پل صراط ہوتا ہے ''بال سے باریک اور تلوار سے تیز'' قدم قدم پھونک پھونک کے اٹھانا اور دھرنا پڑتا ہے۔

زندگی کے اس باب میں بقول عام آپ ''لقمہ سونے کا دیتے ہیں، تو نظر شیر کی رکھتے ہیں'' اصلاح کی ضرورت کا احساس ہونے پر آپ نے گھر والوں کی عجیب وغریب انداز میں تربیت فرمائی، علیٰ ہٰذا القیاس حسبِ موقعہ و حسبِ مصلحت اصلاح و تربیت کا یہ مرحلہ سَر ہوتا رہا ہے۔

ادارہ کے اساتذہ، طلبہ اور جملہ کارکنان ادارہ کی تربیت و اصلاح کا اہتمام

ادارہ میں طلبہ کی اصلاح کے لئے ایک تو وہ ہفتہ وار اصلاحی مجالس قائم کی گئیں، جن کا پیچھے کہیں ذکر آ چکا ہے، ان عمومی تعلیمی مجالس میں طلبہ کی کوتاہیوں کی نشاندہی و اصلاح، عمومی پند و نصیحت، دین کے مختلف ابواب و احکام پر طلبہ کے مجمع میں بیانات، اساتذہ کے ذمہ ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کے متعلقہ امور کی نگرانی و مسئولیت کا نظم چلتا رہا ہے، بعض سمجھدار اور بڑی عمر کے طلبہ کا حضرت جی سے اصلاحی ربط و مکاتبت کا سلسلہ بھی رہا ہے۔

اساتذۂ کرام میں سے کئی اساتذہ کا ادارہ میں تقرر سے پہلے سے یا تقرر ہونے کے بعد اصلاحی تعلق و مکاتبت کا سلسلہ رہا ہے، طلبۂ کرام کی طرح اساتذۂ کرام کے لئے بھی ہفتہ وار اصلاحی مجلس کا مخصوص سلسلہ مختلف سالوں میں آپ نے جاری رکھا۔

اسی طرح اساتذہ و کارکنانِ ادارہ کی اصلاح اور سامنے آنے والی کوتاہیوں کی نشاندہی (خصوصاً جن کوتاہیوں کا تعلق، استاد کی تعلیمی ذمہ داریوں یا کارکن کی ملازمت کے فرائض سے ہو، اور ان کوتاہیوں کی

وجہ سے نظام وانتظام میں خلل آتا ہو، ادارہ کی خدماتِ دینیہ کے جو مقاصد ہیں، وہ فوت ہوتے ہوں) کے لئے ایک صورت یہ بھی آپ کی جانب سے روبہ عمل آتی رہی ہے، خصوصاً شروع کے سالوں میں (جبکہ سب شعبے ابھی ابتدائی مرحلے میں تھے) کہ متعلقہ استاد یا کارکن کے نام تحریر (خط) لکھ کر اس کوتاہی کی نشاندہی کی جاتی، اور اس کی اصلاح ودرستگی کے متعلق تجاویز وہدایات درج کی جاتیں، اور یہ تحریر بصورتِ مکتوب متعلقہ کارکن کو دے دی جاتی، اب بھی پرانے اساتذہ اور کارکنوں کے پاس حضرت جی کے لکھے ہوئے اس طرح کے دستی مکتوبات شائد محفوظ ہوں، راقم الحروف کو بھی اس نوع کی تحریرات حضرت جی کی لکھی ہوئی ملتی رہی ہیں۔ اصلاح کا یہ طریقہ کافی مفید رہا، اس سے متعلقہ کارکن کو احساسِ ذمہ داری اور فکر مندی حاصل ہوتی، اور کوتاہی کا کافی طور پر ازالہ ہو جاتا۔

اس کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً آپ انفرادی طور پر خطابِ خاص یا اجتماعی طور پر خطابِ عام کے ساتھ ادارہ کے کارکنان کو متعلقہ اصلاحی امور کی طرف متوجہ فرماتے رہتے ہیں۔

وعظ وبیان کا مخصوص انداز

وعظ وبیان کے سلسلے میں آپ کے ہاں جن امور کی رعایت رہتی ہے، اور اپنے بزرگوں خصوصاً حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے ہاں بھی جن کا لحاظ ہوتا رہا، اور آپ رحمہ اللہ کے مواعظ وملفوظات میں اس طرح کے امور کا لحاظ کرنے کی صراحت بھی ملتی ہے، ان میں سے اہم یہ امور ہیں:

(الف)...... وعظ میں تکلف وتصنع اور چیخ وپکار، شور شرابے سے احتراز۔

(ب)...... فرمائشی بیان ووعظ سے پرہیز، کہ لوگ خود موضوع کی تعیین کر کے جلسہ رکھ کر یا ویسے ہی اہلِ علم کو تقریر کے لئے مدعو کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ مناسب نہیں، وعظ کہنے والے عالم کی مثال طبیب کی سی ہے، حاضرین اور مخاطبین مریض کی طرح ہیں، معالج اور اور طبیب مریض کے مرض کی تشخیص ومعائنہ کر کے اپنی حذاقت وفنی مہارت، اور علاج میں تدبیر کی مصلحت، نیز مریض کے مزاج واخلاط کی رعایت سے خود نسخہ اور علاج تجویز کرتا ہے، مریض اسے پابند نہیں کر سکتا کہ فلاں نسخہ لکھیں یا فلاں طریقہ سے علاج کریں، اسی طرح واعظ بھی حاضرین ومخاطبین کی دینی کوتاہیوں اور روحانی امراض پر نظر کرتے ہوئے حسبِ موقع وحسبِ مصلحت وعظ کہے گا۔

(ج)...... وعظ میں مقصدیت اور مخاطبین کی عملی زندگی واصلاح کو ملحوظ رکھنا، عملی زندگی کے متعلق حسبِ

موقع ترغیب وترہیب اور شرعی احکام کو بیان کرنا اس باب کے متعلق منکرات اور رائج الوقت خرابیوں کی نشاندہی کرنا، اصلاحِ احوال واعمال کی طرف مخاطبین کو متوجہ کرنا۔

(د)......مخاطبین کی علمی سطح کے مطابق حسبِ موقع علمی یا عام فہم اور سادہ زبان میں بیان کرنا، اور عوامی مجمع میں بات سمجھانے اور دل میں بٹھانے کے لئے عوامی وعمومی اسالیب ومفاہیم اور لب ولہجہ اختیار کرنا، تاکہ وعظ کا مقصد حاصل ہوجائے (اور باتیں سروں کے اوپر سے نہ گزر جائیں)

(ہ)......وعظ میں بے بنیاد افسانہ نما قصص وحکایات اور لغو وموضوع اور غیر مستند روایات پیش کرنے سے پرہیز، جیسا کہ قصہ گو کم علم یا علم سے کورے واعظین کے ڈھنگ وانداز ہیں، قصہ گو واعظین کے اس بے سر وپا مشغلے کے بڑے نقصان ہوئے ہیں۔ ؎

حقیقت خرافات میں کھوگئی　　　یہ امت روایات میں کھوگئی [1]

(و)......وعظ میں حکمت وبصیرت اور عوام پر شفقت وسہولت کا لحاظ، جس سے سامعین کو احکامِ شرع کی بجا آوری کا شوق ورغبت پیدا ہو، دین میں یسر وسہولت نظر آئے، اپنی غفلت وکوتاہی پر پشیمانی وندامت ہو (نہ کہ حوصلہ شکنی ومایوسی پیدا ہو، جیسا کہ بعض کم علم اور بے بصیرت واعظین خدائی لٹھ بردار بن کر اس انداز میں وعظ کہتے نظر آتے ہیں، جو بجائے خوشگواری کے ناگواری کا اور بجائے جذبہ وامنگ پیدا کرنے کے مایوسی وبے زاری کا سبب بن جاتا ہے)

(جاری ہے............)

---

[1] سادہ لوح عوام کا بڑا طبقہ جن کی دینی جمع پونجی ایسے ہی واعظین کی گپاوٹوں پر مشتمل وعظ ہیں، وہ قرآن وحدیث کے ٹھوس احکام وتعلیمات سے محروم ہوکر ان گپاوٹوں کو دین سمجھ بیٹھتا ہے، اور ان کی ساری دلچسپیاں انہی افسانوی باتوں اور ان پر مشتمل رسوم کے گرد گھومتی ہیں، اور دین میں تحریف کنندہ ان جہال وغلات واعظین کی مہربانیوں سے یہ سادہ لوح عوامی طبقہ غلو بلکہ تحریف کی ان حدوں کو پہنچ جاتا ہے، کہ قرآن وسنت کے علی الرغم ان گپاوٹوں پر مشتمل جو اعتقادات ورسوم انہوں نے نسل درنسل اپنائے ہوتے ہیں، انہیں میں دین کو اور نجات کو منحصر سمجھتا ہے۔

ان کی یہ قابلِ رحم وافسوسناک حالت بنی اسرائیل کی اس حالت کے کسی قدر مشابہ ہے، جو ان آیات میں مذکور ہے:

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (سورة البقرة، آیت ۱۱۱)

ترجمہ: اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ کوئی ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا (مگر) یہ ان لوگوں کی آرزوئیں ہیں آپ (ان کے جواب میں) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (سورة البقرة آیت ۱۱۸)

ترجمہ: اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی انہیں کی سی باتیں کیا کرتے تھے ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں جو لوگ صاحب یقین ہیں ان کے (سمجھانے کے) لیے ہم نے نشانیاں بیان کردی ہیں۔

تذکرۂ اولیاء (تذکرہ مولانا رومی کا: قسط ۹) مفتی محمد امجد حسین

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

مثنوی کے مباحث واسالیب کا عمومی جائزہ

اسلام کے تین بنیادی عقائد ہیں، جن پر اسلام کے پورے نظام عقائد، اور تعلیمات کی بنیاد ہے، توحید، رسالت اور قیامت (ہر آسمانی شریعت اور ہر نبی کی تعلیمات ان تین اصولوں پر مبنی اور انہی کے گرد گھومتی رہی ہیں)

مولانا نے ان اصولی عقائد کو مثنوی میں جا بجا چھیڑا ہے، اور جس والہانہ، عاشقانہ، دردمندانہ، عارفانہ وناصحانہ انداز میں ان کا بیان کرتے ہوئے عشق ومعرفت کے دریا بہائے ہیں، اور اسرار ورموز اور روحانی حقائق کے جام لنڈھائے ہیں، وہ پڑھ اور سُن کر دل میں ایمان ویقین کی لہریں اُٹھتی ہیں، اور درد ومحبت کے جذبات موجزن ہونے لگتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اہم موضوع مثنوی کا یہ ہے کہ اصلاحِ نفس اور خدا طلبی کے راستے میں مرشد وشیخ کی ضرورت واہمیت اور مرشد کے حقوق اور اس کا مقام ومرتبہ اور اس سے فیض پانے واستفادہ کرنے کے آداب وطریقے، اور خدا طلبی کے اس راستے میں عقل واستدلال کے بجائے شیخِ کامل کی بلاچوں وچرا اتباع کی ناگزیریت، نیز کامل وناقص شیخ کا فرق اور ناقصوں سے بچنے اور دور رہنے کی تاکید، اور اس ضمن میں تصوف کی باریکیوں کا تجزیہ وتحلیل۔

متکلمین کی کلامی فکر وتحریک بھی ایمان واسلام کی دعوت، اشاعت اور مدافعت کی فکر وتحریک ہے، جو کہ عقلی واستدلالی اصولوں پر استوار ہے، مولانا کی فکر بھی ایمان واسلام کی دعوت، اشاعت اور مدافعت کی فکر وتحریک ہے، لیکن یہ متکلمین کے علی الرغم عشق ومحبت کی بنیادوں پر استوار ہے، عقل واستدلال دماغ کو اپیل کرتے ہیں، تو عشق ومحبت قلب اور روح کو، قلب وروح میں جب صفائی، جلا اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے، تو اس کی پرواز اور طاقت اتنی لامحدود ہوتی ہے کہ عقل واستدلالِ محض اپنی لنگ پائی سے اس کی گرد کو بھی نہیں پاسکتے، قلبی قوتیں ایمان ویقین کی روشنی ورہنمائی میں جب تکمیل پذیر ہوجاتی ہیں، اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، تو مکان سے لامکان تک، ناسوت سے لاہوت تک، اور عالمِ محسوسات وشہادات سے مجرد ومغیبات تک سارے سلسلے ومرحلے ان کی ترکتازیوں اور بلند پروازیوں کی بازی گاہ بن جاتے ہیں۔

Idara Ghufran

لیکن اس عشق ومحبت سے کیا مراد ہے، اور شرعاً اس کے درجات ومراتب کیا کیا ہیں، اس کو ذرا سمجھنا چاہیے، مولانا کے کلام میں چونکہ عشق ومحبت کا ذکر بار بار جا بجا آتا ہے (جیسا کہ آگے ہم مولانا کا کلام نقل کریں گے) اس لیے عشق ومحبت کی تعریف وتعارف کا مرحلہ پہلے ہی سر ہوجائے، تو اچھا ہے، سو سمجھنا چاہیے کہ محبت شریعت میں مطلوب ومقصود ہے۔

قرآن مجید میں ایمان والوں کی صفت اور شان یہ بیان ہوئی ہے:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدہ، آیت ۵۴)

کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان سے محبت کرتے ہیں، اور اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ایمان والوں کا غیر اہلِ ایمان پر شرف وخصوصیت کا یوں ذکر فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرة، آیت ۱۶۵)

کہ جو ایمان والے ہوتے ہیں، ان کی سب سے شدید ومضبوط محبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔

اس لیے محبت تو ایمان کا لازمہ ہے، اور مؤمن کی شناخت و پہچان ہے، بقول اقبال مرحوم:

بے محبت زندگی ماتم ہمہ کاروبارزشت ونامحکم ہمہ

جملہ عالم تلخ واو شاخِ نبات پیش او ہر ممکن و موجود مات (جاوید نامہ)

پھر اس محبت کے درجات ہیں، بنیادی درجات دو ہیں، محبت عقلی، اور محبتِ طبعی۔

محبت طبعی محبت کا شدید درجہ ہے، عشق اسی درجہ کا نام ہے، یہ بڑی نعمت ہے، جس کو عطا ہوجائے، لیکن آدمی شرعاً اس کا مکلّف نہیں، کیونکہ غیر اختیاری اور وہبی ہے، محبت عقلی شرعاً مطلوب ہے، اور آدمی اس کا مکلّف ہے، جیسے مذکورہ بالا آیت سے اس کی مطلوبیت ظاہر ہوتی ہے۔

اور حدیث شریف میں اس کی مطلوبیت وضرورت یوں ذکر ہوئی ہے:

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (بخاری، حدیث نمبر ۱۵، کتاب الایمان، بَابٌ :حُبُّ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الإِيمَانِ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اسکی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

Idara Ghufran

اس حب عقلی کا مقتضیٰ واثر رضائے محبوب کو سب ماسوا پر ترجیح دینا ہے، پھر اس ترجیح کی کئی اقسام و درجات ہیں، پہلا درجہ ایمان کو کفر پر ترجیح دینا ہے، یہ سب سے بنیادی اور ابتدائی درجہ ہے، اس کے بغیر آدمی مؤمن نہیں بن سکتا، باقی درجات میں سے اللہ و رسول کے احکام کو غیر کے احکام پر ترجیح دینا ہے، چونکہ اللہ ورسول کے احکام کے بھی کئی درجے ہیں، کوئی فرض، کوئی واجب، کوئی سنت، کوئی مستحب، کوئی ممنوع ومکروہ، اسی اعتبار سے اس محبت کے درجات ہیں، یعنی واجب وضروری، متوسط، اعلیٰ ومستحب۔

پس جس درجے کی محبت آدمی کو حاصل ہوگی، اسی درجے کا ایمان ہوگا، مثلاً ایک بہت اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر آ جائے، اللہ کا نام آ جائے، اللہ کی یاد آ جائے، تو بندہ مومن بے چین ہو کے رہ جائے، جیسے دنیا کے فانی محبوبوں کے عاشق، محبوب کا تصور کر کر کے، اس کا نام لے لے کے، اس کا ذکر مذاکرہ، سن سنا کر جیتے اور دل کی تسکین کا سامان کرتے ہیں، اسی طرح سمجھو کہ محبوبِ حقیقی خداوندِ جل وعلاء سے بھی بہتیرے نیک بختوں کو اس طرح کی محبت اور حضوری کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، اور چونکہ اللہ کے ماسوا سب فانی ہیں، دنیا کے محبوب، حسین وجمیل سب فانی ہیں، جوانی فانی ہے، صحت فانی ہے، نقش ونگار فانی ہیں، اس لیے ان فانی محبوبوں کے ساتھ عشق بھی فانی ونا پائیدار عشق ہے۔

حسن کی قیمت گر گئی میری نگاہِ شوق میں　　　جتنے حسین دوست تھے ان کا بڑھاپا دیکھ کر

جوانی ڈھلتی ہے تو حسن کا یہ حال ہو جاتا ہے:

کمر جھک کے مثلِ کمانی ہوئی　　　کوئی نانا ہوا کوئی نانی ہوئی

دنیا کے فانی محبوبوں کے ساتھ عشق کا انجام حسرت و پشیمانی ہوتا ہے:

حسینوں کا جغرافیہ میر بدلا　　　کہاں جاؤ گے اپنی تاریخ لے کر

یہ عالم نہ ہوگا تو پھر کیا کرو گے　　　زحل، زہرہ، مشتری اور مریخ لے کر

اس فانی عشق کا عام طور پر یہی حال ہوتا ہے کہ ادھر حسن کا جغرافیہ بدلا، ادھر اس بے ثبات حسن کے مجنونوں کی تاریخ بدلی۔

ادھر ان کا جغرافیہ بدلا　　　اُدھر اُن کی تاریخ بھی بدلی

نہ اِن کی ہسٹری باقی　　　نہ اُن کی ہسٹری باقی

جبکہ اللہ کی ذات باقی ہے، ان کا حسن ان کے کمالات بھی باقی، دائمی اور حقیقی ہیں، اس لیے اللہ کے ساتھ

محبت لافانی اور دائمی محبت ہے، دنیا میں اپنے محبوبِ حقیقی اپنے اللہ کے احکام پر سرِ تسلیم خم کر کے، مجاہدے کر کے ان سے محبت کا امتحان بندۂ مؤمن پاس کرتا ہے، تو مرنے کے بعد پھر اپنے محبوب سے ملاقات اور وصل کی دائمی دولت سے مالا مال ہوگا، اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں:

عشق باحیی وباقیوم دار　　　عشق بامردہ نباشد پائیدار

نیز

خوشا وقتے وخرم روزگارے　　　کہ یارے برخورداز وصل یارے

محبت کے حقدار تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، کیونکہ دنیا کے عقلاء نے محبت ہو جانے کے تین اسباب بتلائے ہیں، جمالؔ، کمالؔ اور نوالؔ (یعنی انعام واحسان) سو یہ تینوں اوصاف کامل طور پر بھی اور دائمی طور پر بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی میں پائے جاتے ہیں، مخلوقات کو ان اوصاف کا کچھ معمولی حصہ ملنا، اللہ تعالیٰ ہی کی دَین ہے، اور وقتی وعارضی طور پر ملتا ہے۔

تو محبت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سن کر دل اور روح لوٹ پوٹ ہو کے رہ جائے، اللہ والوں، اولیائے عظام، بزرگانِ دین کی شوق ووارفتگی، جذب واستغراق اور وجد وحال کے جو واقعات ہم سنتے اور پڑھتے ہیں، وہ اسی درجہ محبت کے آثار ہوتے ہیں۔

بن کے دیوانہ کریں گے خلق کو دیوانہ ہم　　　برسرِ منبر سنائیں گے ترا افسانہ ہم

دوسرا درجہ یہ ہے کہ خداوندِ کریم کا ذکر سن کر یا اللہ کا حکم سامنے آنے پر دل میں ایک جذبہ اور ولولہ پیدا ہو جائے، اور نافرمانی سے بچنے کی اور اللہ کے احکام کی بجا آوری کی فکر ہو جائے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ پھر عملی زندگی میں اپنی حالت کو بدل لے، نافرمانیاں کسی بھی نوع کی ہوں، انہیں چھوڑ کر فرماں برداری اور اطاعت کا اہتمام شروع کر دے، حتی الامکان فرمانبرداری پر استقامت اور دوام اختیار کرے۔

یہ محبت کا تکمیلی درجہ ہے، ایک عرصے تک تقویٰ وتدین کی اس حالت کو نبھانے اور سب معصیتوں ونافرمانیوں سے پرہیز کرنے کے نتیجے میں پھر بندہ مؤمن کو وہ مقام اور وہ حالت اور کیفیت حاصل ہو جاتی ہے، جس کو صوفیاء فرماتے ہیں کہ شریعت کے احکام طبیعتِ ثانیہ بن جاتے ہیں، یعنی پہلے شریعت کے احکام کی پابندی جو بتکلف کرنی پڑتی تھی، نفس اور طبیعت کو ناگواری ہوتی تھی، اس ناگواری کا مقابلہ کر کے احکام کی بجا آوری کا مرحلہ سر کرنا پڑتا تھا، تو اب خود طبیعت ان احکام پہ چلنے کا تقاضہ کرنے لگتی ہے، اور ان

احکام کی بجا آوری طبیعت کی غذا بن جاتی ہے، پہلے یہ احکام طبیعت کے لیے دوا تھے، طبیعت حالتِ مرض میں تھی، مرض کے ازالے اور اصلاح کے لیے اسے احکامِ شرع کی بجا آوری کی ایک عرصے تک دوا دی جاتی رہے، اور دوا تو طبیعت کو ناگوار لگتی ہے، لیکن جب مسلسل اس دوا کے استعمال سے طبیعت صحت مند ہوگئی، خواہشات پہ چلنے کی بجائے حکم پر چلنے کا ملکہ اور جذبہ اس میں پیدا ہوگیا، تو اب نماز، روزے، وغیرہ احکام پورے کرنے کا اس میں ایسے ہی تقاضہ پیدا ہوتا ہے، جیسے بھوک میں غذا کی طلب اور پیاس میں پانی کا تقاضہ خود طبیعت کا اندرونی تقاضہ ہوتا ہے، اور گناہوں سے بچنے کا تقاضہ بھی ایسا ہی تقاضہ بن جاتا ہے، جیسے زہر، سنکھیا اور مہلک چیزوں سے بچنے کا تقاضہ طبیعت کا اپنا تقاضہ ہوتا ہے۔

اسی ترتیب کو صوفیاء کی اصطلاح میں یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے، پہلے مجاہدہ، پھر مشاہدہ، نیز پہلے ''سیر الی اللہ'' اور پھر ''سیر فی اللہ''، سیر الی اللہ یا مجاہدہ اسی مرتبہ کا نام ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگئی، اور نافرمانیاں چھوٹ کر فرمانبرداری واطاعت شروع ہوگئی، اور نفس وطبیعت کے نہ چاہتے ہوئے بھی حتی الامکان سب احکام پہ عمل درآمد ہوتا رہا، گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہوتا رہا، ایک عرصے کے بعد طبیعت میں استقرار اور قلب میں رسوخ پیدا ہوجائے گا، نفس مضمحل ہوجائے گا، اطاعت وفرمانبرداری کرنے کی مزاحم ومخالف قوتیں، نفس، طبیعت، خواہشات نفس وغیرہ دب جائیں گی، اور ایک حد تک تابع ہوجائیں گی، یہ گویا کہ ''مجاہدہ'' یا ''سیر الی اللہ'' کی منزل یا تکمیلی درجہ ہے۔

اس کے بعد جو بندہ مؤمن کا ایمانی سفر ہوتا ہے، وہ مشاہدہ ذات وصفات کا سفر ہوتا ہے، سیر فی اللہ کا سفر ہوتا ہے، سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے ان دو مرحلوں کی ایسی مثال ہے، جیسے کوئی راولپنڈی سے لاہور کے سفر پہ نکلے، موٹروے پر راولپنڈی سے لاہور تک کا سفر یہ سیر الی لاہور ہے، اور لاہور پہنچ کر پھر شہر لاہور میں پھرنا کبھی چڑیا گھر جانا، کبھی شاہی قلعہ، کبھی یادگار پر پہنچنا، کبھی شالامار باغ، کبھی مقبرہ جہانگیر پہ جانا وغیرہ؛ یہ سب سیر فی لاہور ہیں، سیر فی اللہ یا مشاہدہ کا درجہ بھی ایسا ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کے جلووں، اللہ کے غیبی نظام کے رازوں سے شناسائی سیر فی اللہ یا مشاہدہ کے اس مرتبہ میں بندہ مؤمن کو، سالک کو منجانب اللہ بطور اعزاز واکرام کے عطا ہوتے ہیں، جن میں زیادہ غلو نہ کیا جائے، تو یہ بڑی نعمت ہیں، حضراتِ صوفیاء نے ان کی نشاندہی فرمائی ہے، اور بزرگوں کے احوال اور سیرتوں میں قدم قدم پر اس کے نمونے ملتے ہیں، سیر فی اللہ یعنی مشاہدہ کے مقام تک پہنچنے والوں کے چند قابلِ ذکر احوال یہ ہیں:

(۱)......قبولیتِ دعا (ان کی بکثرت دعائیں قبول ہونے لگتی ہیں)

(۲)...... الہام (دل میں علوم کا القاء اور اللہ کی طرف سے ماضی و مستقبل اور دیر ودور کے واقعات وحالات کی اطلاع حاصل ہوتی ہے)

(۳)......رؤیائے صادقہ (سچے خواب بکثرت نظر آتے ہیں)

فراستِ صادقہ (درپیش اُمور میں ان کا ذہن فوراً اصل بنیاد اور راز تک پہنچ جاتا ہے، بعض دفعہ کوئی ان کے بارے میں خفیہ منصوبے بنائے، یا دل میں کوئی اچھی یا بُری بات رکھے، یا باطنی مرض، تکبر، حسد وغیرہ کسی میں چھپا ہوا ہے، تو الہام یا فراست سے ایک نظر دیکھ کر یا تذکرہ سن کر وہ اس کی اصلیت تک پہنچ جاتے ہیں)

(۴ تا ۱۳)......فنا و بقا، وجد، وحدت الوجود، استغراق، تصرف وتوجہ، سکر، قبض وبسط، مشاہدہ، کرامت، کشف۔

ان تمام احوال کی نازک فنی تفصیلات ہیں، جن کے ذکر کا شاید یہ مناسب موقعہ نہیں، خصوصاً استغراق وراس کے بعد والی کیفیات تصوف کے بڑے نازک مقامات ہیں، جہاں کئی ناقصین بھٹک کے رہ جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ احکامِ شرع کی بجا آوری مؤمن سے مطلوب ومقصود ہے، اور اعمال کی بجا آوری کے لیے محبت ضروری ہے، محبت کی دو قسمیں ہیں، حبِ عقلی، اور حبِ طبعی، حبِ طبعی غیر اختیاری اور وہبی نعمت ودولت ہے، جس کو میسر آجائے، بڑی سعادت ہے، ورنہ حبِ عقلی پیدا کرنا تو ضروری ہے ہی، کہ طبیعت چاہے یا نہ چاہے، نفس آمادہ ہو یا نہ ہو، عقلی درجہ میں اللہ کی محبت کو سب ماسوا کی محبت پر اور اللہ کے احکام کی عظمت اور ان کی رعایت وبجا آوری کو سب ماسوا کے احکام پر غالب کرے، جہاں اللہ کی محبت کا ماسوا سے ٹکراؤ ہو، اللہ کے احکام کا ماسوا کے احکام سے ٹکراؤ ہو، تو اللہ کی محبت کو اور اللہ کے حکم کو لے، ماسوا کو چھوڑ دے، اس میں کوتاہی ہوجائے تو توبہ کرے، محققین کے نزدیک حبِ عقلی کا درجہ حبِ طبعی سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ ایک تو حبِ طبعی اپنے اختیار میں نہیں، اور غیر اختیاری چیزوں کا آدمی مکلّف نہیں ہوتا، جبکہ حبِ عقلی اختیار میں ہے، اس لیے اسے پیدا کرنے کا آدمی مکلّف ہے، اور دوم یہ کہ حب طبعی میں بعض دفعہ استمرار اور دوام نہیں ہوتا۔

لہٰذا جو محض حبِ طبعی پر ہی چلتا ہو، تو جس وقت حبِ طبعی کا غلبہ ہوتا ہے، اعمال بجالاتا ہے، جس وقت وہ جوش وجذبہ ٹھنڈا ہوتا ہے، تو بیٹھ رہتا ہے، جبکہ حبِ عقلی میں ہمہ وقت آدمی عقلی طور پر ایمان کے مقتضیات کا اپنے کو مکلّف سمجھتا ہے، اور ان کی بجا آوری ورعایت کرتا ہے۔

(جاری ہے............)

پیارے بچو! مولانا محمد ناصر

حکیم لقمان اور اُن کا ایک واقعہ

پیارے بچو! تم نے حکیم لقمان کا نام سنا ہوگا، اور اگر تم نے قرآن مجید پڑھا یا سُنا ہوگا، تو اس میں ''لقمان'' کا لفظ بھی پڑھا یا سُنا ہوگا۔

قرآن مجید کی ایک سورت کا نام سورہ لقمان ہے، اور اس میں حکیم لقمان کا ذکر ہے، سورہ لقمان قرآن مجید کے اکیسویں سپارے میں ہے۔

بچو! حکیم لقمان اللہ تعالیٰ کے بہت نیک بندے تھے، اُن کے اندر بہت اچھی عادتیں تھیں، اور اُن کے بہت اچھے اخلاق تھے، اچھے اخلاق کی وجہ سے وہ اللہ میاں کے نیک اور پسندیدہ بندے بن گئے تھے، اللہ میاں نے قرآن مجید میں اُن کی اچھی باتوں کا ذکر کیا ہے۔

بچو! شاید تم سوچ رہے ہو کہ حکیم لقمان کس زمانے کے بزرگ تھے؟ کیا حکیم لقمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے ہوئے تھے؟

تو سنو کہ حکیم لقمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بہت پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے تھے، اور حکیم لقمان کا زمانہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بہت پہلے کا ہے۔

پیارے بچو! حکیم لقمان بہت بڑے عالم، اللہ تعالیٰ کے بہت نیک بندے، اور ایک مالدار آدمی کے غلام تھے۔

بچو! غلام اُسے کہتے ہیں جو اپنے مالک کی خدمت کرتا ہو، تو حکیم لقمان بھی اپنے مالک کی امانت داری کے ساتھ بہت خدمت کیا کرتے تھے۔

بچو! حکیم لقمان کے واقعات اور اُن کی باتیں قرآن مجید میں بھی ہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی موجود ہیں، اور حکیم لقمان کے بعض واقعات دوسری کتابوں میں بھی لکھے ہوئے ہیں، اس لیے ہمیں حکیم لقمان کے واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

حکیم لقمان کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک مالدار آدمی کے یہاں بہت ایمانداری کے ساتھ نوکری کرتے تھے، اور اپنا کام پورا کرتے تھے، اور بہت نیک تھے، حکیم لقمان کا مالک اُن کی سمجھداری، فرمانبرداری، اچھی باتوں اور اچھے اخلاق کی وجہ سے اُن سے بہت خوش تھا، اس لیے وہ اُن کو

اپنے ساتھ رکھتا تھا، اور اپنے ساتھ کھانا کھلاتا تھا۔

ایک دن حکیم لقمان کے مالک کے پاس کچھ پھل آئے، اس وقت حکیم لقمان موجود نہیں تھے، مالک نے ایک دوسرے نوکر کو حضرت لقمان کو بلانے کے لیے بھیجا، جب حضرت لقمان آ گئے تو مالک نے اپنے ہاتھ سے وہ پھل کاٹ کر حضرت لقمان کو کھلانا شروع کیے، اور خود مالک حضرت لقمان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا کہ حضرت لقمان کو پھل پسند آتا ہے یا نہیں۔

حضرت لقمان بھی خوشی خوشی مالک کے ہاتھ سے پھل لے کر کھاتے رہے، اور مالک کا شکریہ ادا کرتے رہے، اور خوب سارے پھل کھائے، مالک یہ سمجھ رہا تھا کہ حکیم لقمان کو پھل بہت پسند آئے ہیں، اسی لیے انہوں نے خوشی خوشی پھل کھائے ہیں۔

جب مالک نے حضرت لقمان کو اچھی طرح پھل کھلا دیے، تو اب مالک نے سوچا کہ میں بھی پھل کھا کر دیکھتا ہوں کہ کتنا میٹھا اور لذیذ ہے؟ یہ سوچ کر اُس مالک نے پھل منہ میں رکھا، جیسے ہی اُس نے پھل منہ میں رکھا، وہ پھل اتنا کڑوا تھا کہ اُس کو تھوکنا پڑا۔

مالک نے حیران ہو کر حضرت لقمان سے پوچھا کہ لقمان! مجھے تو اتنا کڑوا اور بدمزہ پھل کھاتے ہی تھوکنا پڑا، آپ نے اتنے کڑوے اور بدمزہ پھل کو مسکراتے ہوئے کیسے کھا لیے، آپ نے یہ پھل کیوں کھائے؟ آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ پھل بہت کڑوے ہیں؟

حکیم لقمان نے مسکراتے ہوئے مالک کو جواب دیا کہ مالک! آپ کے ان ہاتھوں سے میں نے بہت نعمتیں اور بہت اچھی اور عمدہ چیزیں کھائی ہیں، اور آپ کے مجھ پر بہت زیادہ احسانات ہیں۔

اس لیے مجھے اس بات سے شرم آ رہی تھی کہ جن ہاتھوں سے اتنی نعمتیں ملی ہوں، اُنہی ہاتھوں سے اگر آج کوئی کڑوی اور بدمزہ چیز کھانے کو مل رہی ہے، تو اُس کڑوی چیز کے کھانے سے میں کیسے انکار کر دوں؟

مالک نے جب حکیم لقمان کا یہ جواب سُنا، تو وہ بہت خوش ہوا، اور حکیم لقمان کو بہت سے انعامات دیے۔

پیارے بچو! حکیم لقمان کے اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت ساری نعمتیں دی ہوئی ہیں، اُن نعمتوں میں اچھے کھانے بھی شامل ہیں، روزانہ ہم طرح طرح کے اچھے اچھے کھانے کھاتے ہیں، اگر کبھی کھانے میں کوئی چیز پسند کی نہ ملے، تو ہمیں بے صبری نہیں کرنی چاہیے، بلکہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت زیادہ نعمتیں بھی تو دی ہوئی ہیں، اگر ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کریں گے، اور بے صبری نہیں کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ہم سے بھی خوش ہوں گے۔

بزمِ خواتین مفتی ابوشعیب

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

گھر

معزز خواتین! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جن بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں بعض نعمتیں اس قسم کی ہیں کہ وہ اپنی ذات میں بہت اہمیت رکھتی ہیں، اور بہت بڑی نعمت ہیں، لیکن ہماری توجہ نہ ہونے کی وجہ سے دن رات اس نعمت سے فائدہ اُٹھانے کے باوجود ہمیں اس نعمت کا احساس نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے اس نعمت کا شکرادا کرنے کا خیال بھی نہیں آتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر شکرادا کرنا ضروری ہے۔

اس لیے ہمیں وقتاً فوقتاً ایسی نعمتوں کو بھی سوچنا چاہیے اور اس طرح کی نعمتوں کی بھی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔

یوں تو اس طرح کی نعمتیں بھی بہت ساری ہیں، لیکن سرِ دست اس قسم کی نعمتوں میں سے صرف ایک نعمت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، اور یہ نعمت بھی فقط کہنے میں ایک نعمت ہے، ورنہ اس نعمت میں بھی ہماری راحت وآرام کے دسیوں پہلو موجود ہیں، اور وہ نعمت ہے ''گھر''۔

گھر خواہ جھونپڑی ہو یا محل ہو، کوٹھی، بنگلہ ہو یا مکان ہو، شہر میں ہو، یا دیہات میں، اپنا ذاتی ہو یا کرائے کا، پکا ہو یا کچا، بہر حال اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

انسان خواہ بچہ ہو، یا جوان یا بوڑھا، اپنے روزمرہ کے کاموں (تعلیم، ملازمت، تجارت، زراعت، محنت، مزدوری وغیرہ) سے فارغ ہوتا ہے، تو خواہ اس کا گھر کیسا ہی ٹوٹا پھوٹا کیوں نہ ہو، اور خواہ وہ اپنے گھر کے افراد سے کتنا ہی روٹھا ہوا کیوں نہ ہو، بہر صورت اسے فوری طور پر گھر پہنچنے کا شدید تقاضا ہوتا ہے۔

اس لیے کہ اسے اپنے گھر میں جتنی بے تکلفی اور آرام ملتا ہے، کہیں اور اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

گھر انسان کے لیے بہترین آرام کی جگہ ہے، جہاں انسان بغیر کسی پابندی وتکلف کے اطمینان کے ساتھ اپنے کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، لیٹنے وغیرہ کے تقاضے بلاتکلف پورے کرتا ہے، گھر ایک ایسی نعمت ہے، جہاں پہنچ کر انسان کو سکون ملتا ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں گھر کو مسکن (یعنی رہنے کی جگہ) بھی کہتے ہیں، اور مسکن سکون ہی سے بنا ہے۔

خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِنۡ بُیُوۡتِکُمۡ سَکَنًا (سورۃ النحل، آیت نمبر ۸۰)

Idara Ghufran

ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی۔

اس آیتِ کریمہ کے اس جملے کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

اس میں حق تعالیٰ نے انسان کے بیت یعنی گھر کو سَکَن فرما کر گھر بنانے کا فلسفہ اور حکمت واضح فرمادی کہ اس کا اصل مقصد جسم اور قلب کا سکون ہے، عادۃً (یعنی عموماً، ناقل) انسان کا کسب وعمل (یعنی کمائی کرنا اور کام کرنا وغیرہ۔ناقل) گھر سے باہر ہوتا ہے، جو اس کی حرکت سے وجود میں آتا ہے، اس کے گھر کا اصلی منشاء (یعنی مقصد۔ناقل) یہ ہے کہ جب حرکت وعمل سے تھک جائے، تو اس میں جا کر آرام کرے، اور سکون حاصل کرے، اگرچہ بعض اوقات انسان اپنے گھر میں بھی حرکت وعمل میں مشغول رہتا ہے، مگر یہ عادۃً (یعنی عموماً۔ناقل) کم ہے۔

اس کے علاوہ سکون اصل میں قلب ودماغ (یعنی دل ودماغ۔ناقل) کا سکون ہے، وہ انسان کو اپنے گھر میں ہی حاصل ہوتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ انسان کے مکان کی سب سے بڑی صفت (یعنی خوبی۔ناقل) یہ ہے کہ اس میں سکون ملے، آج کی دنیا میں تعمیرات کا سلسلہ اپنے عروج (یعنی بلندی۔ناقل) پر ہے، اور ان میں ظاہری ٹیپ ٹاپ پر بے حد خرچ بھی کیا جاتا ہے، لیکن ان میں ایسے مکانات بہت کم ہیں، جن میں قلب (یعنی دل۔ناقل) اور جسم کا سکون حاصل ہو، بعض اوقات تو مصنوعی تکلفات خود ہی آرام وسکون کو برباد کردیتے ہیں، اور وہ بھی نہ ہو تو گھر میں جن لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے، وہ اس سکون کو ختم کردیتے ہیں، ایسے عالی شان مکانات سے وہ جُھگّی اور جھونپڑی اچھی ہے، جس کے رہنے والے کے قلب وجسم کو سکون حاصل رہا ہو، قرآن کریم ہر چیز کی روح اور اصل (یعنی جڑ۔ناقل) کو بیان کرتا ہے، انسان کے گھر کا اصل مقصد اور سب سے بڑی غرض وغایت سکون کو قرار دیا

(معارف القرآن، جلد۵، صفحہ۳۸۳)

گھر میں ہر انسان فطری طور پر اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتا ہے، گھر میں انسان اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے، گھر سے انسان کو اُنس ومحبت اور اپنائیت کا احساس ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر انسان اپنے کام سے رات گئے بھی فارغ ہو، اور صبح پھر اُسے کام کی جگہ پہنچنا ہو تب بھی وہ اپنی رات گھر میں گزارنے کے لیے طویل

سفر اور مشقت برداشت کرنے کو گھر سے باہر رات گزارنے پر ترجیح دیتا ہے، ملازم طبقہ کے لوگ اکثر وبیشتر صرف ایک آدھ چھٹی ملنے پر بھی سفر کر کے کرایہ لگا کر دھکم پیل اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے بھی گھر پہنچنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔

تو دیکھیے! گھر کتنی بڑی نعمت ہے، جس کی طرف ہمیں توجہ ہی نہیں ہوتی، اور خواتین کو تو ہر وقت اسی نعمت کدے میں رہنا ہوتا ہے، گویا خواتین کو تو یہ نعمت چوبیس گھنٹے حاصل ہے کہ انہوں نے ہر وقت گھر میں ہی رہنا ہے۔

بلکہ خود حق تعالیٰ نے عورتوں کو گھر میں ہی رہنے کا پابند فرمایا ہے۔

ارشاد ہے:

وَقَرْنَ فِی بُیُوْتِکُنَّ (الآیۃ، سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۳۳)

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔

اس لیے خواتین کو تو اس نعمت کا بہت شکر ادا کرنا چاہیے، اور شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دل میں ہر خاتون یہ سوچے کہ میں تو اس نعمت کے قابل نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے بغیر میرے استحقاق کے مجھے اتنی بڑی نعمت عطا فرمادی۔

اس کے ساتھ ساتھ خاتونِ خانہ کو اس ذمہ داری کا احساس بھی کرنا چاہیے کہ یہ گھر تنہا اس کے لیے نعمت نہیں ہے، بلکہ اس گھر میں رہنے والے دوسرے افراد کے حق میں بھی اسی طرح نعمت ہے، جس طرح اس کے لیے نعمت ہے، لہٰذا اسے اس بات پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ اس کے کسی طرزِ عمل سے گھر کے کسی دوسرے فرد کے حق میں یہ نعمت کی بجائے مصیبت نہ بن جائے، اس کو سمجھنے کے لیے ایک مثال عرض کرتا ہوں۔

مثال کے طور پر کوئی فرد (فرض کیا آپ کے میاں ہیں، یا بیٹے یا بھائی) ہے، جس کو سخت بھوک لگی ہوئی ہے، اس کے سامنے صاف ستھرا بہترین کھانا چنا ہوا ہے، ابھی وہ کھانا کھانے ہی لگا تھا کہ آپ نے اس کے سامنے ہی دسترخوان پر یا کھانے میں اپنی ناک کی ریزش، بلغم وغیرہ ڈال دی، تو اندازہ لگایئے کہ اس شخص کو آپ کی اس حرکت کی وجہ سے کتنی سخت ذہنی کوفت ہوگی، اور آپ نے اپنی اس بھدی حرکت کی وجہ سے کھانے جیسی نعمت کو اس کے حق میں مصیبت بنا دیا، اسی طرح اگر آپ نے کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار کرلیا جس کی وجہ سے آپ کا گھر کسی دوسرے فرد کے حق میں آرام دہ اور پُرسکون نہ رہا، تو گویا آپ نے اس کے حق میں گھر جیسی نعمت کو اپنے غلط طرزِ عمل کی وجہ سے مصیبت بنا دیا، اس لیے ہر خاتونِ خانہ کو اس بات کا

بہت خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے کسی طرزِ عمل یا اس کی کسی عادت کی وجہ سے گھر کے کسی دوسرے فرد کو (خواہ وہ والدین، اور بہن بھائی ہوں، یا ساس سُسر، نند بھاوج، دیورانی، جیٹھانی، وغیرہ ہوں، یا شوہر، یا بیٹے، بیٹیاں یا بہو، وغیرہ ہو) کوئی جسمانی یا ذہنی یا روحانی یا نفسیاتی تکلیف نہ ہو۔

یاد رکھیے! کسی مسلمان کو تکلیف دینا حرام اور سخت گناہ کا کام ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز (مثلاً اینٹ، پتھر، لکڑی، کانٹا وغیرہ) ہٹا دینا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

جب راہ چلنے والوں کو تکلیف سے بچانا ایمان کا تقاضا ہے، حالانکہ راستے سے گزرنے والے کے حق میں وہ روز کی تکلیف نہیں ہے، اور نہ لمبے عرصے کی تکلیف ہے، اس کے بالمقابل گھر میں انسان اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ گزارتا ہے، تو اگر کوئی خاتونِ خانہ گھر کے کسی بھی دوسرے فرد کے حق میں تکلیف دہ طرزِ عمل اختیار کرے گی، یا اپنی انا کی وجہ سے اختیار کیے رکھے گی، تو وہ بہت سخت گنہگار ہوگی، اور جب تک اپنا طرزِ عمل درست نہ کرے گی، مسلسل گنہگار ہوتی رہے گی، اس لیے ایسی خواتین کو چاہیے کہ وہ فوراً اپنے غلط طرزِ عمل سے توبہ کریں، اور اپنا طرزِ عمل ایسا اپنائیں کہ ان کا گھر نہ صرف ان کے اہلِ خانہ کے حق میں پرسکون گھر بنے، بلکہ معاشرے میں بھی وہ مثالی گھروں کی فہرست میں شمار ہو۔

خاتونِ خانہ کو ایسا خوش اخلاق ہونا چاہیے کہ اس کے گھر میں جب بھی کوئی مہمان آئے، وہ اس کے حسنِ اخلاق، سلیقہ مندی اور مہمان نوازی سے متأثر ہو کر لوٹے، اور گھر کے مرد (شوہر اور محرم مرد مثلاً بھائی، باپ وغیرہ) بھی جب تھکے ہارے گھر آئیں، تو گھر کو ایسا پرسکون پائیں کہ باہر کی تمام پریشانیوں کو بھول جائیں، اور انہیں بھی گھر کے نعمت ہونے کا احساس ہونے لگے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ہر خاتون اپنے اپنے گھر میں اللہ تعالیٰ کے احکام (مثلاً نماز، روزہ، تلاوت، ذکر، استغفار، دعا، صدقہ، خیرات وغیرہ) پر بھی عمل کرے، تاکہ عملی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا ہو، اور گھر کے دوسرے افراد خصوصاً بچے نیک اعمال کو دیکھ کر نیک بنیں۔

کیونکہ گھر صرف ہماری رہائش گاہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک چھوٹی سی تعلیم گاہ، تربیت گاہ، اور سلیقہ مندی وکردار سازی کا ایک چھوٹا سا مرکز بھی ہے۔

اگر ہر خاتون صرف اپنے گھر کی حد تک اس ذمہ داری کو دیانت داری کے ساتھ ادا کرے، اور خود اپنی اور

اپنے اہلِ خانہ خصوصاً اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت اور سلیقہ مندی وکردار سازی پر بھرپور اور صحیح اُصولوں کے مطابق توجہ دے، تو پورا معاشرہ سنور سکتا ہے، اس لیے کے ہر گھر معاشرے کی ایک اکائی ہے، اور ہر گھر کے افراد معاشرے اور قوم کا سرمایہ ہیں۔

افراد سے بنتی ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اس لیے خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں، اور معاشرے کے سنوار میں اپنا کردار ادا کریں، اپنے بچوں میں سچائی، دیانتداری، ملک اور قوم کے ساتھ وفاداری، شجاعت وبہادری، دینداری ودانشمندی، عفوودرگزر، تحمل وبردباری وغیرہ جیسے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیں۔

اور اپنی بچیوں کو سلیقہ مندی وگھر داری، میزبانی ومہمانداری، شرم وحیاء، عفت وعصمت کی حفاظت، پردہ وحسنِ سلوک، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت، خوش اخلاقی، اور وسعت ظرفی، خدمتِ خلق اور ملنساری وغیرہ جیسی اعلیٰ صفات سے آراستہ کریں۔

چونکہ خواتین کا گھروں میں ہی رہنا ہوتا ہے، اس لیے عموماً تجربے اور مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ کسی بھی گھر کو پُرسکون یا تکلیف دہ بنانے میں عورت کا خاصا عمل داخل ہوتا ہے، چنانچہ جس گھر کا نظام سلیقہ مند، خوش اخلاق، اور وسیع الظرف خاتون کے ہاتھوں میں ہو، وہ گھر، گھر کے افراد کے لئے بھی اور آنے والے مہمانوں کے حق میں بھی پرسکون ہوتا ہے۔

اور جس گھر کا نظام چلانے والی خاتون خوش اخلاق اور وسیع الظرف نہ ہو، وہ گھر، گھر کے افراد، اور آنے والے مہمانوں دونوں کے حق میں کسی نہ کسی درجے میں تکلیف کا باعث ضرور بنتا ہے، اس لیے خواتین میں گھر داری کا سلیقہ ہونا بہت ضروری ہے۔

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

دعائے قنوت کے الفاظ کی تحقیق

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

احادیث میں دعائے قنوت کے کیا الفاظ آئے ہیں؟

اور آج کل عام طور پر جو"اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ"آخر تک دعا پڑھی جاتی ہے،اس کا ثبوت کیا ہے،اور کیا اس کے علاوہ کوئی اور دعا بھی پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وتر کی نماز میں بعض فقہاء کے نزدیک دعائے قنوت سنت ہے،اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر کی نماز میں کسی مخصوص دعا کا پڑھنا واجب نہیں، بلکہ کسی بھی دعا کے پڑھ لینے سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔

اور مشہور دعا جو"اللھم انا نستعینک"آخر تک پڑھی جاتی ہے، خاص اس کا پڑھنا سنت ومستحب ہے،اور اگر اس کے ساتھ احادیث میں مذکور دوسری مسنون دعا بھی ملا کر پڑھ لی جائے،تو کوئی حرج نہیں، بلکہ بعض کے نزدیک بہتر ہے۔

(کذافی:رد المحتار علی الدر المختار،کِتَابُ الصَّلَاۃِ،وَاجِبَات الصَّلَاۃ،وبَابُ الْوِتْرِ وَالنَّوَافِلِ)

آگے اس مسئلہ کی احادیث وروایات کی روشنی میں وضاحت کی جاتی ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اپنی وتر کی نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ، وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوبَتِکَ، وَأَعُوذُ بِکَ مِنْکَ، لَا أُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْکَ، أَنْتَ کَمَا أَثْنَیْتَ عَلَی نَفْسِکَ"

ترجمہ:اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں،آپ کی رضا کے ذریعہ سے،آپ کی ناراضگی سے،اور آپ کی معافی کے ذریعہ سے آپ کے عذاب سے،اور میں پناہ چاہتا ہوں،آپ کے ذریعہ سے آپ سے، میں شمار نہیں کرسکتا آپ کی تعریف کو،آپ ویسے ہی ہیں، جیسے آپ نے اپنی تعریف فرمائی ہے (سنن نسائی، حدیث نمبر ۱۷۴۷، ابوداؤد، حدیث نمبر ۱۴۲۷، سنن ترمذی، حدیث نمبر ۳۵۶۶، باب فی دعاء الوتر، مسند احمد، حدیث نمبر ۷۵۱، باسناد قوی)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعائے قنوت کہلاتی ہے۔

اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے قنوتِ وتر میں ان کلمات کے پڑھنے کی تعلیم دی:

”اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ“

ترجمہ: یا اللہ! مجھے ہدایت دیجیے اُن لوگوں میں جن کو آپ نے ہدایت عطا فرمائی،اور عافیت دیجیے مجھے ان لوگوں میں جن لوگوں کو آپ نے عافیت عطا فرمائی، اور کارسازی فرمایئے، میری اُن لوگوں میں جن کی آپ نے کارسازی فرمائی،اور برکت عطا فرمایئے مجھے اُن چیزوں میں جو آپ نے مجھے عطا فرمائیں،اور حفاظت فرمایئے میری اُن چیزوں کے شر سے جن کا آپ نے فیصلہ فرمایا، بے شک آپ ہی فیصلہ کرنے والے ہیں،اور آپ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، بے شک جس کی آپ مدد فرمائیں، وہ ذلیل نہیں ہوسکتا،اور جس سے آپ بیزاری فرمائیں، وہ کبھی عزت نہیں پاسکتا،آپ بابرکت ہیں، ہمارے رب ہیں،اور بلند و بالا ہیں (ابوداؤد، حدیث نمبر ۱۴۲۵)

اور بعض روایات میں اس دعا کے آخر میں ” **أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ** “ کا اضافہ ہے۔

چنانچہ ابنِ ابی عاصم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت بیان کی ہے کہ:

عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أَنْ أَقُولَ إِذَا فَرَغْتُ مِنْ قِرَاءَتِي فِي الْوِتْرِ فَلَمْ يَبْقَ عَلَيَّ إِلَّا الرُّكُوعُ :اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا

یُقْضَى عَلَيْکَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ، أَسْتَغْفِرُکَ وَأَتُوبُ إِلَيْکَ (الآحاد والمثانی لابنِ ابی عاصم،حديث نمبر ۴۱۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس بات کی تعلیم دی کہ میں جب وتر کی نماز میں اپنی قرأت سے فارغ ہو جاؤں، اور میرے ذمہ صرف رکوع باقی رہ جائے، تو میں یہ دعا پڑھوں:

”اللّٰهُمَّ اهْدِنِی فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِی فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَبَارِکْ لِی فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِی شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّکَ تَقْضِی وَلَا يُقْضَى عَلَيْکَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ، أَسْتَغْفِرُکَ وَأَتُوبُ إِلَيْکَ“

(یعنی) یا اللہ! مجھے ہدایت دیجیے اُن لوگوں میں جن کو آپ نے ہدایت عطا فرمائی، اور عافیت دیجیے مجھے ان لوگوں میں جن لوگوں کو آپ نے عافیت عطا فرمائی، اور برکت عطا فرمائیے مجھے اُن چیزوں میں جو آپ نے مجھے عطا فرمائیں، اور حفاظت فرمائیے میری اُن چیزوں کے شر سے جن کا آپ نے فیصلہ فرمایا، بے شک آپ ہی فیصلہ کرنے والے ہیں، اور آپ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، اور بے شک جس کی آپ مدد فرمائیں، وہ ذلیل نہیں ہوسکتا، آپ بابرکت ہیں، ہمارے رب ہیں، اور بلند وبالا ہیں، میں آپ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، اور آپ کی طرف ہی متوجہ ہوتا اور توبہ کرتا ہوں (ترجمہ ختم)

پس بہتر یہ ہے کہ اس دعا کے آخرت میں ”**أَسْتَغْفِرُکَ وَأَتُوبُ إِلَيْکَ**“ کا بھی اضافہ کرلیا جائے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَلَّمَنِی الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کَانَ إِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِی الرَّکْعَةِ الثَّالِثَةِ مِنَ الْوِتْرِ، وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا الرُّکُوعُ، قَالَ قَبْلَ أَنْ يَرْکَعَ: "اللّٰهُمَّ اهْدِنِی فِيمَنْ هَدَيْتَ (شرح مشکل الآثار،بَابُ بَيَانِ مُشْکِلِ مَا اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيهِ مِنَ الْقُنُوتِ فِی الْوِتْرِ، وَهَلْ هُوَ قَبْلَ الرُّکُوعِ أَوْ بَعْدَهُ ؟)

ترجمہ: مجھے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تعلیم دی کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر کی تیسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جایا کرتے تھے، اور صرف رکوع باقی رہ جاتا تھا، تو رکوع سے پہلے یہ پڑھا کرتے تھے کہ:

”اللّٰهُمَّ اهْدِنِی فِيمَنْ هَدَيْتَ“

Idara Ghufran

یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دعائے قنوت کہلاتی ہے۔

اور ہمارے یہاں رائج دعائے قنوت کی دعا دوسری ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے، مگر حضرت علی وحضرت حسن رضی اللہ عنہما کی مذکورہ دعائیں بھی مشہور دعائے قنوت کے ساتھ ملا کر پڑھنا جائز بلکہ بہتر ہے (اگرچہ عام طور پر آج کل اس کا رواج نہیں)

حضرت خالد بن ابی عمران سے مرسلاً روایت ہے کہ:

بَيْـنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو عَلَى مُضَرَ إِذْ جَاءَهُ جِبْرَئِيلُ فَأَوْمَأَ إِلَيْـهِ أَنِ اسْـكُـتْ فَسَكَتَ، فَقَالَ " :يَا مُـحَـمَّـدُ إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْكَ سَبَّابًا وَلَا لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بَعَثَكَ رَحْمَةً، وَلَمْ يَبْعَثْكَ عَذَابًا (لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ)ثُمَّ عَلَّمَهُ هَذَا الْقُنُوتَ:

اللّٰهُـمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ، وَنُؤْمِنُ بِكَ، وَنَخْضَعُ لَكَ، وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَكْفُرُكَ، اللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ، وَلَكَ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعَى وَنَحْفِدُ، وَنَرْجُو رَحْمَتَكَ وَنَخْشَى عَذَابَكَ، وَنَخَافُ عَذَابَكَ الْجِدَّ إِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَافِرِينَ مُلْحِقٌ "(السنن الكبرى للبيهقي حديث نمبر ۳۱۴۲، الدعوات الكبير للبيهقي حديث نمبر ۳۶۳،مراسيل ابى داؤد حديث نمبر ۸۹) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ مضر قبیلہ کے خلاف بددعا فرمارہے تھے کہ اچانک جبریل علیہ السلام تشریف لائے، اور نبی ﷺ کی طرف اشارہ کیا کہ خاموش ہوجائیں، تو نبی ﷺ خاموش ہوگئے، پھر حضرت جبریل نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو لعن طعن کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ آپ کو رحمت کا ذریعہ بنا کر مبعوث فرمایا ہے، اور آپ کو عذاب کا ذریعہ بنا کر مبعوث نہیں فرمایا، تمہیں کوئی دخل نہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان پر یا تو متوجہ ہوجائیں، یا ان کو کوئی سزا دیں، پس بے شک یہ لوگ ظالم ہیں۔

پھر حضرت جبریل نے حضور ﷺ کو یہ قنوت (جوکہ آج کل عام طور پر وتروں میں پڑھی جاتی ہے) سکھلایا:

"اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ، وَنُؤْمِنُ بِكَ، وَنَخْضَعُ لَكَ، وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ

[1] قال البيهقي:هَذَا مُرْسَلٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ صَحِيحًا مَوْصُولًا. ورجالهٗ موثقون(روضة المحدثين ،تحت حديث رقم ۵۲۹۳)

مَنْ یَکْفُرُکَ، اللھُمَّ إِیَّاکَ نَعْبُدُ، وَلَکَ نُصَلِّی وَنَسْجُدُ وَإِلَیْکَ نَسْعَی وَنَحْفِدُ، وَنَرْجُو رَحْمَتِکَ وَنَخْشَی عَذَابَکَ، وَنَخَافُ عَذَابَکَ الْجِدَّ إِنَّ عَذَابَکَ بِالْکَافِرِینَ مُلْحِقٌ ‘‘

(جس کا ترجمہ یہ ہے) اے اللہ! ہم آپ سے مدد طلب کرتے ہیں، اور آپ سے گناہوں کی معافی کی درخواست کرتے ہیں، اور آپ پر ایمان لاتے ہیں، اور آپ کی تابعداری اختیار کرتے ہیں، اور جو آپ کا انکار کرے، ہم اس سے الگ ہوتے اور اس کو چھوڑتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور آپ ہی کے لئے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں، اور آپ ہی کی طرف سعی کرتے اور جلدی کرتے ہیں، اور آپ کی رحمت کی امید کرتے ہیں، اور آپ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، اور آپ کے سخت عذاب سے خوف کرتے ہیں، بے شک آپ کا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے (ترجمہ ختم)

ممکن ہے کہ آپ ﷺ قبیلہ ٔمضر کے خلاف یہ جو دعا فرمارہے تھے، یہ اس وقت کی بات ہو، جبکہ وہ نازلہ ختم ہو گیا ہو، اس لئے آپ کو منع کیا گیا، اور آئندہ ہمیشہ کے لیے دعائے قنوت کو وتروں کے لیے مقرر کیا گیا، کیونکہ قنوتِ نازلہ کا حکم عام حالات میں نہیں ہے، بلکہ مخصوص حالات میں ہے، اور وتروں میں دعائے قنوت ہمیشہ کے لیے ہے۔

اس قسم کی دعائے قنوت متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور بعض روایات میں ’’’’ونتوکل علیک‘‘ اور ’’ونثنی علیک الخیر‘‘ اور ’’ونشکرک‘‘ اور ’’ولانکفرک‘‘ اور ’’من یکفرک‘‘ کی جگہ ’’من یفجرک‘‘ اور آخر میں ’’بالکفار ملحق‘‘ ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ دعا تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ مروی ہے۔

جس میں ’’ونثنی علیک الخیر‘‘، اور ’’من یکفرک‘‘ کی جگہ ’’من یفجرک‘‘، اور آخر میں ’’بالکفار ملحق‘‘ ہے۔

(ملاحظہ ہو: مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۶۹۶۵، فِی قُنُوتِ الْوِتْرِ مِنَ الدُّعَاءِ، وحدیث نمبر ۳۰۳۲۶، کتاب الدعاء، باب ما یدعو بہ الرجل فی قنوت الوتر)

اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابنِ عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ یہ دعا مروی ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ’’ونتوکل علیک‘‘ اور ’’ولانکفرک‘‘ اور ’’ونشکرک‘‘ کا اضافہ ہے۔

Idara Ghufran

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ’’ونستہد یک‘‘ کا اضافہ ہے۔ [۱]

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی دعا مروی ہے۔

(ملاحظه هو: مصنف عبدالرزاق ، حديث نمبر ۴۹۷۰، كتاب الصلاة، باب القنوت)

بلکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی اس دعا کے موجود ہونے کی روایات ہیں۔

(ملاحظه هو:مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۷۱۰۳،ما يدعا بِهِ فِى قُنُوتِ الْفَجْرِ،فضائل القرآن للقاسم بن سلام، حديث نمبر ۵۷۷،تاريخ المدينة المنورة،فضائل القرآن للقاسم بن سلام،حديث نمبر ۵۷۶)

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے بھی اس دعا کے وتروں میں پڑھنے کا مستحب ہونا مروی ہے۔

(ملاحظه هو:مصنف عبدالرزاق ، حديث نمبر۴۹۹۷،كتاب الصلاة، باب القنوت،مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۶۹۶۴،فِى قُنُوتِ الْوِتْرِ مِنَ الدُّعَاءِ)

اور فقہائے احناف نے بھی روایات میں اختلاف کی وجہ سے تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ دعائے قنوت کے الفاظ نقل فرمائے ہیں، اور بعض فقہاء نے مختلف روایات میں آئے ہوئے الفاظ کو جمع کردیا ہے۔

چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے دعائے قنوت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’’اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ ،نَشْكُرُكَ وَلَانَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ، اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ نَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ‘‘

ترجمہ: اے اللہ! ہم آپ سے مدد طلب کرتے ہیں، اور آپ سے گناہوں کی معافی کی درخواست کرتے ہیں، اور آپ پر ایمان لاتے ہیں، اور آپ پر توکل کرتے ہیں، اور آپ پر خیر کی ثناء (تعریف) کرتے ہیں، آپ کا شکر کرتے ہیں، اور آپ کی ناشکری نہیں کرتے، اور جو آپ کی نافرمانی کرے، ہم اس سے الگ ہوتے ہیں اور اس کو چھوڑتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور آپ ہی کے لئے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں، اور

---

[۱] ملاحظه هو: معجم ابن الاعرابى، حديث نمبر ۴۵۵،مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۷۱۰۰،ما يدعا بِهِ فِى قُنُوتِ الْفَجْرِ،شرح معانى الآثار،حديث نمبر ۱۴۷۵ ،مصنف ابن ابى شيبة، حديث نمبر ۳۰۳۳۷، كتاب الدعاء، باب ما يدعا بِهِ فِى قُنُوتِ الْفَجْرِ،مصنف عبدالرزاق،حديث نمبر ۴۹۶۹،مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۷۱۰۲،ما يدعا بِهِ فِى قُنُوتِ الْفَجْرِ،مصنف عبدالرزاق، حديث نمبر ۴۹۷۸،الدعوات الكبير للبيهقى،حديث نمبر ۴۳۲.

Idara Ghufran

آپ ہی کی طرف سعی کرتے وجلدی کرتے ہیں، آپ کی رحمت کی امید کرتے ہیں، اور آپ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، اور آپ کے عذاب سے خوف کرتے ہیں، بے شک آپ کا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے (شرح النقایۃ، فصل فی الوتر والنوافل)

اور دیگر کتبِ فقہ میں اس سے کچھ مختلف الفاظ بیان کئے گئے ہیں، اُن کو پڑھنے میں بھی حرج نہیں۔ ۱ے

ا ے ثُمَّ إِنَّ الدُّعَاءَ الْمَشْهُورَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ :

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرَ كُلَّهُ نَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ اللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعَى وَنَحْفِدُ نَرْجُو رَحْمَتَكَ وَنَخْشَى عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحَقٌ .

لَكِنْ فِي الْمُقَدِّمَةِ الْغَزْنَوِيَّةِ إِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ وَلَمْ يَذْكُرْهُ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ إِلَّا أَنَّهُ أَسْقَطَ الْوَاوَ مِنْ نَخْلَعُ وَالظَّاهِرُ ثُبُوتُهُمَا أَمَّا إِثْبَاتُ الْجِدِّ فَفِي مَرَاسِيلِ أَبِي دَاوُد وَأَمَّا إِثْبَاتُ الْوَاوِ فِي وَنَخْلَعُ فَفِي رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ وَالْبَيْهَقِيِّ وَبِهِ انْدَفَعَ مَا ذَكَرَهُ الشُّمُنِّيُّ فِي شَرْحِ النُّقَايَةِ أَنَّهُ لَا يَقُولُ الْجِدَّ وَاتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهُ بِكَسْرِ الْجِيمِ بِمَعْنَى الْحَقِّ وَاخْتَلَفُوا فِي مُلْحَقٌ وَصَحَّحَ الْإِسْبِيجَابِيُّ كَسْرَ الْحَاءِ بِمَعْنَى لَاحِقٌ بِهِمْ وَقِيلَ بِفَتْحِهَا وَنَصَّ الْجَوْهَرِيُّ عَلَى أَنَّهُ صَوَابٌ (البحرالرائق، باب الوتر والنوافل)

(قَوْلُهُ اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ) زَادَ بَعْدَهُ فِي الدُّرَرِ وَنَسْتَهْدِيكَ قَالَ الشَّيْخُ إِسْمَاعِيلُ كَذَا فِي الْمَنْبَعِ وَلَيْسَ فِي الْمُغْرِبِ وَلَا فِيمَا أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد فِي مَرَاسِيلِهِ وَذَكَرَهُ فِي جَامِعِ الْفَتَاوَى وَالْجَوْهَرِيَّةِ وَالْمِفْتَاحِ بَعْدَ قَوْلِهِ وَنَسْتَغْفِرُكَ اهـ ثُمَّ قَالَ فِي آخِرِ الدُّعَاءِ وَفِي الْبُرْجَنْدِيِّ الْمَشْهُورُ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ الْخَتْمُ عِنْدَ قَوْلِهِ مُلْحَقٌ وَلَيْسَ فِي الْمَشْهُورِ نَسْتَهْدِيكَ وَلَا كَلِمَةَ كُلِّهِ اهـ .وَزَادَ فِي الدُّرَرِ أَيْضًا بَعْدَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوبُ إِلَيْكَ قَالَ الشَّيْخُ إِسْمَاعِيلُ كَذَا فِي الْمَنْبَعِ وَالتَّاجِيَّةِ وَلَيْسَ فِي الْكُتُبِ الْمَذْكُورَةِ اهـ .وَزَادَ فِي الدُّرَرِ أَيْضًا وَنَخْضَعُ لَكَ بَعْدَ قَوْلِهِ وَلَا نَكْفُرُكَ قَالَ الشَّيْخُ إِسْمَاعِيلُ كَذَا فِي مَرَاسِيلِ أَبِي دَاوُد وَلَيْسَ فِي الْمَنْبَعِ وَغَيْرِهِ مِمَّا ذُكِرَ ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّ فِي بَعْضِ النُّسَخِ وَنَخْلَعُ وَنَسَبَهَا أَيْضًا إِلَى الْوَانِيَةِ ثُمَّ قَالَ وَلَعَلَّهُ نَخْنَعُ بِالنُّونِ أَيْ نَخْضَعُ(منحة الخالق على هامش البحرالرائق ، باب الوتر والنوافل)

الْقُنُوتَ :اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَخْضَعُ لَكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَكْفُرُكَ اللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعَى وَنَحْفِدُ ، نَرْجُو رَحْمَتَكَ ، وَنَخَافُ عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ(فتح القدير ، باب صلاة الوتر)

وَالْقُنُوتُ عِنْدَنَا اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَهْدِيكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتُوبُ إِلَيْكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرَ كُلَّهُ نَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ اللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعَى وَنَحْفِدُ نَرْجُو رَحْمَتَكَ وَنَخْشَى عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ(مجمع الانهر ،باب الوتر والنوافل)

"اللهم إنا نستعينك ونستهديك ونستغفرك ونتوب إليك ونؤمن بك ونتوكل عليك ونثني عليك الخير كله نشكرك ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك الله إياك نعبد ولك نصلي ونسجد واليك نسعى ونحفد نرجو رحمتك ونخشى عذابك إن عذابك الجد بالكفار ملحق وصلى الله على النبي وآله وسلم." (نورالايضاح ،باب الوتر واحكامه) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس دعا کے ساتھ اگر حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے قنوت والی دعا بھی ملالی جائے، تو بہتر ہے۔اور یہ دعائیں پہلے ذکر کی جاچکی ہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فَيَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَهْدِيكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوبُ إِلَيْكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرَ كُلَّهُ نَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ اللَّهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعَى وَنَحْفِدُ نَرْجُو رَحْمَتَكَ وَنَخْشَى عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ (دررالحكام شرح غررالاحكام ،احوال الوتر)

والدعاء المشهور فى القنوت اللهم إنا نستعينك ونستغفرك ونستهديك ونؤمن لك ونتوب إليك ونتوكل عليك ونثنى عليك الخير كله نشكرك ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك اللهم إياك نعبد ولك نصلى ونسجد وإليك نسعى ونحفد نرجو رحمتك ونخشى عذابك إن عذابك بالكفار ملحق ويضم إليه قنوت الحسن بن على رضى الله عنهما الله اهدنى فيمن هديت وعافنى فيمن عافيت وتولنى فيمن توليت وبارك لى فيما أعطيت وقنى شر ما قضيت فإنك تقضى ولا يقضى عليك إنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت نستغفرك اللهم ونتوب إليك ويزيد إن شاء الله وصلى الله على النبى وعلى آله وصحبه وسلم(منية المصلى)

۱؎ ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّ الْأَوْلَى أَنْ يُضَمَّ إلَيْهِ اللَّهُمَّ اهْدِنِي إلَخْ وَأَنَّ مَا عَدَا هَذَيْنِ فَلَا تَوْقِيتَ فِيهِ، وَمِنْهُ مَا عَنْ ابْنِ عُمَرَ " أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ بَعْدَ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ :اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ، وَانْصُرْهُمْ عَلَى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ .اللَّهُمَّ الْعَنْ كَفَرَةَ الْكِتَابِ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُونَ أَوْلِيَاءَكَ .اللَّهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ، وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ، وَأَنْزِلْ عَلَيْهِمْ بَأْسَكَ الَّذِي لَا يُرَدُّ عَنْ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ "وَمِنْهُ مَا أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ أَنَّهُ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -كَانَ يَقُولُ فِي آخِرِ وِتْرِهِ :اللَّهُمَّ إنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ، مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ وَغَيْرَ ذَلِكَ مِنْ الْأَدْعِيَةِ الَّتِي لَا تُشْبِهُ كَلَامَ النَّاسِ .وَمَنْ لَا يُحْسِنُ الْقُنُوتَ يَقُولُ (رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً) (البقرة201 :) الْآيَةَ .وَقَالَ أَبُو اللَّيْثِ يَقُولُ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي يُكَرِّرُهَا ثَلَاثًا، وَقِيلَ يَقُولُ :يَا رَبِّ ثَلَاثًا، ذَكَرَهُ فِي الذَّخِيرَةِ .اهـ.

أَقُولُ :هَذَا يُفِيدُ أَنَّ مَا فِي الْبَحْرِ مِنْ قَوْلِهِ ذَكَرَ الْكَرْخِيُّ أَنَّ مِقْدَارَ الْقِيَامِ فِي الْقُنُوتِ مِقْدَارُ سُورَةِ (إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ) (الانشقاق1 :) وَكَذَا ذَكَرَ فِي الْأَصْلِ اهـ بَيَانٌ لِلْأَفْضَلِ، أَوْ هُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْقَوْلِ بِأَنَّ الْقُنُوتَ الْوَاجِبَ هُوَ طُولُ الْقِيَامِ لَا الدُّعَاءُ تَأَمَّلْ.

هَذَا، وَذَكَرَ فِي الْحِلْيَةِ أَنَّ مَا مَرَّ مِنْ أَنَّهُ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -كَانَ يَقُولُ فِي آخِرِ وِتْرِهِ اللَّهُمَّ إنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ إلَخْ .جَاءَ فِي بَعْضِ رِوَايَاتِ النَّسَائِيّ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُهُ إذَا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ وَتَبَوَّأَ مَضْجَعَهُ(رد المحتار على الدر المختار،بَابُ الْوِتْرِ وَالنَّوَافِلِ)

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان

۱۳/ جمادی الاولیٰ/۱۴۳۲ھ 17 /اپریل/2011ء بروز اتوار ادارہ غفران، راولپنڈی

Idara Ghufran

کیا آپ جانتے ہیں؟

مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

فرض نمازوں کے ساتھ سنتِ مؤکدہ کی رکعات

سوال: ......فرض نمازوں کے ساتھ سنتِ مؤکدہ کون کون سی ہیں، اوران کا ثبوت کہاں سے ہے؟

جواب: ......فقہائے کرام کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ دن رات کی نمازوں کے ساتھ کتنی رکعتیں سنت ہیں؟ لیکن احناف کے نزدیک دن رات کی نمازوں کے ساتھ تاکیدی سنتوں کی تعداد بارہ ہے۔

دو فجر سے پہلے، چار ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد۔

اوراس کے علاوہ بعض اور رکعتوں کا بھی احادیث میں ذکر ہے، مگر وہ اس درجہ کی تاکیدی سنت نہیں ہیں، اگر چہ ان کی فضیلت بھی اپنی جگہ ثابت ہے (کذافی: الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الصلاۃ، باب النوافل)

حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ تَطَوُّعِهِ؟ فَقَالَتْ :كَانَ يُصَلِّي فِي بَيْتِي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا، ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ، ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَيُصَلِّي بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ، وَيَدْخُلُ بَيْتِي فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ فِيهِنَّ الْوِتْرُ.......... وَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ (مسلم، حدیث نمبر ۷۳۰، واللفظ لہٗ، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۱۲۵۱)

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی غیر فرض نماز کے بارے میں سوال کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے، پھر گھر سے تشریف لے جاتے تھے، پھر لوگوں کو (ظہر کی) نماز پڑھاتے تھے، پھر گھر میں تشریف لاتے تھے، پھر دو رکعتیں پڑھتے تھے، اور لوگوں کی مغرب کی نماز پڑھاتے تھے، پھر گھر میں تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اور لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے تھے، اور میرے گھر میں تشریف لا کر پھر دو رکعات پڑھا کرتے تھے، اور رات میں نو رکعتیں

Idara Ghufran

پڑھا کرتے تھے، جن میں وتر بھی شامل ہوتے تھے.........اور جب فجر طلوع ہوجاتی تھی، تو دو رکعت پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے حضورﷺ کا فجر سے پہلے دو رکعت اور ظہر سے پہلے چار رکعت، اور ظہر کے بعد دو رکعت، اور مغرب کے بعد دو رکعت، اور عشاء کے بعد دو رکعت سنتوں کا پڑھنا معلوم ہوا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :مَنْ ثَابَرَ عَلَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ السُّنَّةِ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الجَنَّةِ :أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ المَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ العِشَاءِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الفَجْرِ " (ترمذی، حدیث نمبر ۴۱۴، واللفظ لهٗ، ابنِ ماجه، حديث نمبر ۱۱۴۰)

ترجمہ: رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سنت کی بارہ رکعتوں پر مداومت (پابندی) اختیار کرے گا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنادیں گے، ظہر سے پہلے چار رکعت، اور ظہر کے بعد دو رکعت، اور مغرب کے بعد دو رکعت، اور عشاء کے بعد دو رکعت، اور فجر سے پہلے دو رکعت (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں ان بارہ رکعتوں پر جنت میں داخل ہونے کی فضیلت آئی ہے۔

جس کے الفاظ یہ ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ ثَابَرَ عَلَى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ دَخَلَ الْجَنَّةَ (نسائی ،حديث نمبر ۱۷۹۴)

ترجمہ: رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بارہ رکعتوں پر مداومت (پابندی) اختیار کرے گا، اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمادیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الجَنَّةِ :أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ المَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ العِشَاءِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ صَلَاةِ الْغَدَاةِ "(ترمذی، حدیث نمبر ۴۱۵، واللفظ لهٗ، سنن نسائی، حديث نمبر ۱۸۰۰ ،مستدرک حاکم، حديث نمبر ۱۱۷۴)

ترجمہ: رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس نے دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھیں، تو اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا، ظہر سے پہلے چار رکعت، اور ظہر کے بعد دو رکعت، اور مغرب کے بعد

دورکعت،اورعشاء کے بعد دورکعت،اورفجر یعنی صبح کی نماز سے پہلے دورکعت (ترجمہ ختم)

البتہ بعض روایات میں ظہر سے پہلے دورکعت کا ذکر ہے۔ [1]

اورمتعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ان بارہ رکعتوں کا پڑھنا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت میسرہ اورزاذان سے مروی ہے کہ:

كَانَ عَلِيٌّ يُصَلِّي مِنَ التَّطَوُّعِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ، وَأَرْبَعًا بَعْدَ الْعِشَاءِ ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ (مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۶۰۲۱، كتاب الصلاة، باب فيما يجب من التطوع بالنهار)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر سے پہلے چار رکعت،اورظہر کے بعد دورکعت،اورمغرب کے بعد دورکعت، اورعشاء کے بعد چار رکعت (دوسنتیں مؤکدہ اوردوغیرمؤکدہ یا نفل) اور فجر سے پہلے دورکعت سنت پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اورحضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ:

كَانَتْ صَلَاةُ عَبْدِ اللَّهِ مِنَ النَّهَارِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ، وَلا يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ، وَلا بَعْدَهَا (المعجم الكبير للطبرانی، حديث نمبر ۹۳۳۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دن کی نماز میں چار رکعت ظہر سے پہلے،اوردو رکعت ظہر کے بعد،اوردورکعت مغرب کے بعد،اوردورکعت عشاء کے بعد،اوردورکعت فجر سے پہلے ہوا کرتی تھیں،اوروہ عصر سے پہلے اورعصر کے بعد نماز نہیں پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اورایک روایت میں ہے کہ:

كَانَتْ صَلَاةُ عَبْدِ اللهِ الَّتِي لا يَدَعُ مِنَ التَّطَوُّعِ ؛ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ (مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۶۰۲۲ وحديث نمبر ۶۰۲۵، كتاب الصلاة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سنت نمازیں جن کو وہ نہیں چھوڑتے تھے، یہ

---

[1] چنانچہ حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ:
سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَتْ : كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ ثِنْتَيْنِ، وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ، وَقَبْلَ الْفَجْرِ ثِنْتَيْنِ (ترمذی، حديث نمبر ۴۳۶)

Idara Ghufran

تھیں: چار ظہر سے پہلے، اور دو رکعتیں ظہر کے بعد، اور دو رکعتیں مغرب کے بعد، اور دو رکعتیں عشاء کے بعد، اور دو رکعتیں فجر سے پہلے (ترجمہ ختم)

اور جلیلُ القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَانُوا يَعُدُّونَ مِنَ السُّنَّةِ ؛أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ (مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۶۰۲۴، کتاب الصلاة، باب فیما یجب من التطوع بالنهار)

ترجمہ: صحابۂ کرام وتابعین ظہر سے پہلے چار رکعت، اور ظہر کے بعد دو رکعت، اور مغرب کے بعد دو رکعت، اور عشاء کے بعد دو رکعت، اور فجر سے پہلے کی دو رکعت کو سنت نمازوں میں شمار کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كَانُوا يَعُدُّونَ مِنَ السُّنَّةِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا قَالَ :وَكَانُوا يَرْكَعُونَ قَبْلَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ وَلَا يَعُدُّونَهَا مِنَ السُّنَّةِ، وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ، وَقَبْلَ الْفَجْرِ رَكْعَتَيْنِ (مصنف عبدالرزاق ،حدیث نمبر ۴۸۳۰)

ترجمہ: صحابۂ کرام وتابعین ظہر سے پہلے چار رکعت، اور ظہر کے بعد دو رکعت کو سنت نمازوں میں شمار کیا کرتے تھے، اور وہ عصر سے پہلے دو رکعت بھی پڑھا کرتے تھے، لیکن ان کو سنت شمار نہیں کیا کرتے تھے، اور مغرب کے بعد دو رکعت، اور عشاء کے بعد دو رکعت، اور فجر سے پہلے کی دو رکعت کو بھی سنت نمازوں میں شمار کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث وآثار کی روشنی میں فقہائے احناف نے ان بارہ رکعتوں کو تاکیدی سنت قرار دیا ہے، اور ان میں سے بعض سنتوں کی تاکید بعض سے زیادہ ہے، اور ان سنتوں کے بارے میں الگ الگ احادیث وروایات میں بھی ذکر ہے، اور ان بارہ رکعتوں کے علاوہ کچھ اور رکعتوں کا بھی احادیث وروایات میں ذکر ہے، مگر وہ تاکیدی درجہ کی سنت نہیں ہیں۔ [1] فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان ۱۴/ جمادی الاولیٰ/۱۴۳۲ھ 18/ اپریل/2011ء بروز پیر ادارہ غفران، راولپنڈی

---

[1] اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سنت نمازوں کی رکعتوں کی تعداد مندرجہ بالا تفصیل سے کچھ مختلف ہے، بعض کے نزدیک دن رات میں دس رکعت سنت ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ظہر سے پہلے چار کے بجائے دو رکعتیں سنت ہیں۔
(ملاحظہ ہو: دررالحکام شرح غرر الاحکام، کتاب الصلاة، احوال النوافل،البنایة شرح الهدایة، ج۲ص ۵۱۱، ۵۱۲، کتاب الصلاة، باب النوافل)

عبرت کدہ ﴿اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَ بْصَارِ﴾ ابوجویریہ

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت یوسف علیہ السلام (قسط۱۰)

حضرت یوسف علیہ السلام بازارِ مصر میں

حضرت یوسف علیہ السلام جب قافلہ والوں کے ہاتھ لگے، تو قافلہ والوں نے ان کو مصر لے جا کر فروخت کرنے کا اعلان کیا، لوگوں نے بڑھ چڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کیں، یہاں تک حضرت یوسف علیہ السلام کے وزن کے برابر زر وجواہر اور اسی کے برابر مشک اور اسی وزن کے ریشمی کپڑے آپ کی قیمت لگ گئی۔ ۱

عزیزِ مصر نے یہ سب چیزیں قیمت میں ادا کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ سب کچھ اتفاقی واقعہ نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مستحکم تدبیر کے اجزاء ہیں، چنانچہ مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کے لئے ملک کے سب سے بڑے عزت والے شخص کو مقدر فرمایا۔

ابنِ کثیر نے فرمایا ہے کہ یہ شخص جس نے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا، وہ ملکِ مصر کا وزیرِ خزانہ تھا، جس کا نام قطفیر یا اطفیر بتلایا جاتا ہے، اور بادشاہِ مصر اس زمانہ میں عمالقہ قوم کا ایک شخص ریّان بن اُسید تھا (جو بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لایا، اور مسلمان ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں انتقال کر گیا) اور عزیزِ مصر جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا، اس کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا بتلایا گیا ہے۔ ۲

---

۱ وكان هذا العزيز الذى اشترى يوسف على خزائن الملك؛ واشترى يوسف من مالك بن دُعُر بعشرين ديناراً، وزاده حلة ونعلين .وقيل :اشتراه من أهل الرّفقة .وقيل :تزايدوا فى ثمنه فبلغ أضعاف وزنه مِسُكاً وعنبراً وحريراً وورِقاً وذهباً ولآلىء وجواهر لا يعلم قيمتها إلا الله؛ فابتاعه قطفير من مالك بهذا الثمن (تفسير القرطبى، تحت آيت ۲۱ من سورة يوسف)

۲ يخبر تعالى بألطافه بيوسف، عليه السلام، أنه قيض له الذى اشتراه من مصر، حتى اعتنى به وأكرمه، وأوصى أهله به، وتوسم فيه الخير والفلاح، فقال لامرأته :(أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَى أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عزیزِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنی بیوی کو یہ ہدایت کی کہ ان کو اچھا ٹھکانا دینا، اوران کو عام غلاموں کی طرح نہ رکھنا، اوران کی ضروریات کا اچھا انتظام کرنا۔ [۱]

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖ اَكْرِمِیْ مَثْوٰهُ عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ(سورة یوسف آیت ۲۱)

ترجمہ: مصروالوں میں سے جس نے اسے خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے بہت عزت واحترام کے ساتھ رکھو، ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا اسے ہم اپنا بیٹا ہی بنالیں، یوں ہم نے مصر کی سرزمین پر یوسف کا قدم جما دیا کہ ہم اسے خواب کی تعبیر کا کچھ علم سکھا دیں۔ اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں۔

''وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ'' آیت کے اس جملہ میں آئندہ پیش آنے والے واقعہ کی بشارت ہے، کہ حضرت یوسف علیہ السلام جو عزیزِ مصر کے گھر میں اس وقت بحیثیتِ غلام داخل ہوئے ہیں، عنقریب یہ ملکِ مصر کے سب سے بڑے آدمی ہونگے، اور حکومت واقتدار پر فائز ہونگے (جاری ہے......)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وکان الذی اشتراہ من مصر عزیزھا، وھو الوزیر بھا .(قال)العوفی، عن ابن عباس :وکان اسمہ قطفیر .وقال محمد بن إسحاق :اسمہ إطفیر بن روحیب، وھو العزیز، وکان علی خزائن مصر، وکان الملک یومئذ الریَّان بن الولید، رجل من العمالیق قال :واسم امرأتہ راعیل بنت رعائیل . وقال غیرہ :اسمھا زلیخا .وقال محمد بن إسحاق أیضا، عن محمد بن السائب، عن أبی صالح، عن ابن عباس :کان الذی باعہ بمصر مالک بن دعر بن بُویب بن عنقا بن مدیان بن إبراھیم، فاللہ أعلم (تفسیر ابنِ کثیر، تحت آیت ۲۱ من سورۃ یوسف)

[۱] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا میں تین آدمی بڑے عقل منداور قیافہ شناس ثابت ہوئے، ایک عزیزِ مصر جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کمالات کو اپنے قیافہ سے معلوم کرکے بیوی کو یہ ہدایت دی، دوسرے حضرت شعیب علیہ السلام کی وہ صاحبزادی، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے والد سے کہا تھا کہ اے ابا جان! ان کو ملازم رکھ لیجئے، اس لئے کہ بہترین ملازم وہ شخص ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی (اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں یہ دونوں صفات پائی جاتی ہیں) تیسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے اپنے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ " :أَفْرَسُ النَّاسِ ثَلَاثَةٌ :الْعَزِيزُ حِينَ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِی مَثْوَاهُ عَسَى أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا، وَالَّتِی قَالَتْ (يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْأَمِينُ) (القصص :۲۶) وَأَبُو بَكْرٍ حِينَ تَفَرَّسَ فِی عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا(مستدرک حاکم،حدیث نمبر ۳۳۲۰،قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ .وقال الذهبی فی التلخیص:علی شرط البخاری ومسلم)

طب وصحت

مفتی محمد رضوان

کھجور کے فوائد وخواص (قسط۲)

کھجور زچہ و بچہ کے لئے

جب بحکمِ الٰہی حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو سب سے پہلے کھجور کھانے کا حکم فرمایا۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

وَهُزِّيٓ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا. فَكُلِيۡ وَاشۡرَبِيۡ وَقَرِّيۡ عَيۡنًا (سورة مریم، آیت ۲۵،۲۶)

ترجمہ: اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔ پس تم کھاؤ پیو اور ٹھنڈا کرو اپنی آنکھوں کو (ترجمہ ختم)

اس آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض حضرات نے فرمایا کہ بچہ کی ولادت کے بعد عورت کے لئے کھجور انتہائی نافع ہے۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ بچے کی پیدائش کے بعد عام طور پر کھجور کے ذریعہ سے تحنیک فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

وُلِدَ لِيْ غُلَامٌ فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيْمَ فَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ وَدَفَعَهُ إِلَيَّ وَكَانَ أَكْبَرَ وَلَدِ أَبِيْ مُوْسٰى (مسلم)

ترجمہ: میرے یہاں بیٹا پیدا ہوا، تو میں اس کو لے کر نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا، نبی ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا، اور اس کی کھجور کے ساتھ تحنیک فرمائی، اور اس کے لئے برکت کی دعا فرمائی، اور پھر بچہ مجھے دے دیا، اور یہ حضرت ابو موسیٰ کا سب سے بڑا بیٹا تھا (ترجمہ ختم)

کھجور کے ذریعہ سے تحنیک اس طرح فرمائی کہ حضور ﷺ نے کھجور اپنے منہ مبارک میں چبا کر نرم کی، اور پھر بچے کے تالو پر لگا دیا، جس کو بچے نے چوس لیا۔

Idara Ghufran

نہار منہ کھجور کی افادیت اور عجوہ کھجور سے زہر اور جادو کا علاج

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ فِي عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ شِفَاءً -أَوْ إِنَّهَا تِرْيَاقٌ -أَوَّلَ الْبُكْرَةِ(مسلم، حدیث نمبر ۲۰۴۸)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عالیہ مقام کی عجوہ میں شفا ہے، یا یہ زہر کا توڑ ہے، صبح کے اول حصہ میں (یعنی نہار منہ کھانے میں) (ترجمہ ختم)

اگرچہ ہر کھجور میں شفا ہے، لیکن عجوہ کھجور میں دوسری کھجوروں کے مقابلہ میں اضافی شفا ہے، جس کا حدیث میں ذکر کیا گیا(مرقاۃ ج۷ص۲۷۰۵، کتاب الاطعمۃ)

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ تَصَبَّحَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً، لَمْ يَضُرَّهُ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ سُمٌّ وَلاَ سِحْرٌ(بخاری، حدیث نمبر ۵۴۴۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہر دن صبح کے وقت میں سات عجوہ کھجوریں کھالیں، اسے اس دن زہر اور جادو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا (ترجمہ ختم)

ویسے تو ہر کھجور غذائیت سے بھرپور اور مفید پھل ہے، اور اس کا نہار منہ استعمال انتہائی مفید ہے، کیونکہ سو کر اٹھنے اور کھانے کے طویل وقفہ کے بعد جسم کو حرارتِ غریزیہ کی ضرورت ہوتی ہے، جو کھجور کے ذریعہ سے بہت عمدہ طریقہ پر حاصل ہوتی ہے، اور کھجور کے ذریعہ سے روزہ افطار کرنے میں بھی یہ حکمت موجود ہے۔

چنانچہ حضرت سلمان بن عامر ضبّی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ تَمْرًا فَالْمَاءُ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ(ترمذی)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی افطار کرے تو اسے چاہئے کہ کھجور سے افطار کرے کیونکہ یہ برکت والی چیز ہے اور اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے افطار کرے اس لئے کہ پانی نہایت پاکیزہ چیز ہے (ترجمہ ختم)

کھجور سے روزہ افطار کرنے میں ثواب تو اپنی جگہ ہے ہی، اسی کے ساتھ خالی معدے کے لئے یہ انتہائی نفع بخش ہے(فیض القدیر للمناوی، تحت حدیث رقم ۴۶۴)

اورسات عدد عجوہ کھجور کے نہار منہ کھانے کی جو خاصیت گزشتہ احادیث میں بیان کی گئی ، یہ مذکورہ کھجور کی مخصوص تاثیر ہے۔

عجوہ کھجور کو نبی ﷺ نے خود مدینہ منورہ میں لگایا تھا(مرقاۃ ج۷ص ۲۷۰۵، کتاب الاطعمۃ)

دل کی بیماری کا علاج

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

مَرِضْتُ مَرَضًا أَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِیْ فَوَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ ثَدْيَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَهَا عَلٰى فُؤَادِیْ فَقَالَ :إِنَّکَ رَجُلٌ مَفْئُوْدٌ، ائْتِ الْحَارِثَ بْنَ كَلَدَةَ أَخَا ثَقِيفٍ فَإِنَّهٗ رَجُلٌ يَتَطَبَّبُ فَلْيَأْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِنْ عَجْوَةِ الْمَدِينَةِ فَلْيَجَأْهُنَّ بِنَوَاهُنَّ ثُمَّ لِيَلُدَّکَ بِهِنَّ(ابوداؤد، ۳۸۷۵)

ترجمہ: میں ایک مرتبہ بیمار ہوگیا، تو میرے پاس رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے، اور اپنا ہاتھ مبارک میری چھاتی پر رکھا، یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے دل پر محسوس کیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کو دل کی بیماری لاحق ہے، آپ حارث بن کلدہ ثقیف کے بھائی کے پاس تشریف لے جائیں، کیونکہ وہ طبیب (معالج) شخص ہیں، اور انہیں چاہیئے کہ وہ مدینہ منورہ کی سات عجوہ کھجوریں لے کر ان کی گٹھلیوں کو نکال لیں، پھر ان کو پیس کر آپ کو کھلائیں (ترجمہ ختم)

بعض اطباء نے عام کھجوروں اور بطورِ خاص عجوہ کھجور کے استعمال کو دل کی بیماریوں کے لئے مفید قرار دیا ہے(ملاحظہ ہو: دل کی بیماریاں اور علاج نبوی، مؤلفہ: ڈاکٹر خالد غزنوی، ص۳۷۳)

اور موجودہ دور میں بھی عجوہ کھجور کی گٹھلیوں کے ذریعہ سے کئی دل کے مریض شفایاب ہو چکے ہیں۔

بعض لوگ جن کے دل کی نالیاں (والز) بند ہو چکے تھے، اور ان کو انتہائی ماہر ڈاکٹروں نے اینجو پلاسٹی کرانا تجویز کر دیا تھا، انہوں نے چند دن نہار منہ سات عدد عجوہ کھجور کی گٹھلیوں کا سفوف استعمال کیا، تو ان کو اس بیماری سے شفا حاصل ہوگئی، جس پر ان ڈاکٹروں کو بھی حیرانگی پیدا ہوئی۔

(ملاحظہ ہو: ماہنامہ ''راہنمائے صحت'' فیصل آباد، دسمبر 2010، ص۱۰،۱۱)

اخبارِ ادارہ مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب وروز

☐......۱۹/ ۲۶/ ربیع الآخر و ۴/ ۱۱/ جمادی الاولیٰ جمعہ، متعلقہ مساجد میں وعظ ومسائل کی نشستیں ہوئیں۔

☐......۲۱/ ۲۸/ ربیع الآخر و ۶/ ۱۳/ جمادی الاولیٰ، بروز اتوار بعد عصر کی ہفتہ وار مجلسِ ملفوظات حسبِ معمول منعقد ہوتی رہی۔

☐......۱۶/ ربیع الآخر، منگل مولانا عبدالسلام صاحب، اور مولانا طارق محمود صاحب کا اشاعتِ کتب کے سلسلہ میں لاہور کا سفر ہوا، اسی دن رات گئے واپسی ہوئی۔

☐......۲۶/ ربیع الآخر جمعہ، مولانا عبدالسلام (ناظم ماہنامہ التبلیغ) وقاری عبدالحلیم صاحب (مدرس ادارہ) کا ظفر وال (نارووال) کا سفر ہوا، مولانا امتیاز صاحب کے ہاں جانا ہوا۔

☐......۲۷/ ربیع الآخر، ہفتہ مولانا فہیم الحسن تھانوی صاحب زید مجدہٗ (ابن مولانا سید نجم الحسن تھانوی صاحب) دارالافتاء میں تشریف لائے، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات ومجالست ہوئی۔

☐......۲/ جمادی الاولیٰ بدھ، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم عصر میں کوہسار مسجد، اسلام آباد، بڑے حضرت جی حضرت نواب صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں زیارت وملاقات کے لئے حاضر ہوئے، بڑے حضرت جی دامت برکاتہم مارچ کے آخری ہفتہ میں کراچی سے اسلام آباد تشریف لائے، گرمیوں میں اب ان شاء اللہ یہاں قیام رہے گا، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ مفتی محمد یونس صاحب، مولوی طارق محمود صاحب، مولوی محمد ناصر صاحب، مفتی منظور احمد صاحب زید مجدہم اور بندہ محمد امجد بھی تھے۔

☐......۳/ جمادی الاولیٰ جمعرات بعد ظہر حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں مجلسِ مشاورت ہوئی، جس میں بعض انتظامی اور تعلیمی امور طے ہوئے، کچھ تبدیلیاں ہوئیں، ششماہی امتحانات کا نظم طے ہوا۔

☐......۹/ جمادی الاولیٰ بدھ، بعد مغرب، مولانا حافظ یوسف صاحب زید مجدہٗ (مدیر، مدرسہ ایوب انصاری، وکلیۃ الشریعہ، گوجرانوالہ) اور جناب عرفان اکبر صاحب دارالافتاء میں تشریف لائے، حضرت مدیر صاحب کی نیابت میں بندہ امجد کے ساتھ آپ کی مجالست اور علمی وتعلیمی امور پر بات چیت ہوئی۔

☐......۱۲/ جمادی الاولیٰ، بروز ہفتہ سے ادارہ کے ششماہی امتحانات شروع ہوئے، جو ۱۷/ جمادی الاولیٰ بدھ تک جاری رہے، قرآنی شعبہ جات کے امتحانات اتوار ۱۳/ جمادی الاولیٰ کو ہوئے، شعبہ حفظ کے امتحان ۱۶ جمادی الاولیٰ کو، شعبہ تخصص اور عصری جماعتوں کے تحریری امتحانات ہفتہ تا بدھ جاری ہے، جمعرات ۱۷/ جمادی الاولیٰ کو تعلیمی شعبہ میں تعطیل تھی۔

☐......۱۳/ ربیع الآخر، اتوار بعد عصر، مسجد شیخاں (محلّہ امام باڑہ، راولپنڈی) میں حضرت مدیر صاحب نے جناب چوہدری جاوید اختر صاحب وشوکت صاحب (پنڈی ٹینٹ سروس) کی بھانجی کا نکاحِ مسنون پڑھایا۔

اخبارِ عالم

حافظ غلام بلال

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم ومفید حالات وواقعات، حادثات وتغیرات

21 / مارچ 2011ء بمطابق ۱۵ ربیع الثانی 1432ھ : پاکستان: کوئٹہ کان میں دھماکے، 20 جاں بحق، 35 کان کن پھنس گئے، جہلم ٹیکسی میں بس پر فائرنگ، 8 مسافر زخمی ✍ 22 / مارچ: امریکا: امریکا چرچ کے جیوری نے قرآن کریم پر (نعوذ باللہ) "مقدمہ" چلا کر بطور "سزا" آگ لگادی ✍ 23 / مارچ: لیبیا: اتحادیوں کی شدید ترین بمباری، نیول بیس اور 2 فوجی اڈے تباہ، ریڈار نظام ناکارہ، متعدد شہری جاں بحق ✍ 24 / مارچ: پاکستان: کراچی: یوم پاکستان پر بھی ٹارگٹ کلنگ، 8 جاں بحق، مسجد پر راکٹ فائر ✍ 25 / مارچ: پاکستان: ہنگو تھانے پر خودکش کار بم دھماکا، 2 اہلکار سمیت 8 جاں بحق، سرچ آپریشن میں 8 مشتبہ افراد گرفتار ✍ 26 / مارچ: پاکستان: کرم ایجنسی میں 2 مسافر کوچوں پر اندھادھند فائرنگ 15 جاں بحق، حملہ آوروں نے 45 افراد کو اغواء کرلیا ✍ 27 / مارچ: پاکستان: 66 ہزار فٹ کی بلندی پر اڑتے ڈرون روکنا ہمارے بس میں نہیں، وزیرداخلہ ✍ 28 / مارچ: لیبیا: مصراتہ پر بمباری، جنگی طیارے 2 ہیلی کوپٹر تباہ، البریقہ سے سرکاری فوج پسپا، باغیوں کی پیش قدمی ✍ 29 / مارچ: پاکستان: وفاقی کابینہ، ذوالفقار بھٹو کو سزا کیخلاف ریفرنس کی منظوری ✍ 30 / مارچ: پاکستان: داخلہ سیکرٹری ملاقات، پاکستان بھارت ہاٹ لائن قائم کرنے پر متفق ✍ 31 / مارچ: پاکستان: صوابی: مولانا فضل الرحمٰن کے جلوس پر خودکش دھماکا، پولیس افسر سمیت 10 افراد جاں بحق یکم/اپریل: پاکستان: چارسدہ میں مولانا فضل الرحمٰن پر 24 گھنٹے میں دوسرا حملہ، 12 افراد جاں بحق ✍ پیٹرول 6.98 ڈیزل 9.07 مٹی کا تیل 9.65 روپے مہنگا، ایل پی جی کی قیمت میں بھی 5 روپے کلو اضافہ ✍ 2 / اپریل: پاکستان: پنجاب حکومت کی ہڑتالی ڈاکٹروں کو 24 گھنٹوں میں ڈیوٹی پر واپس آنے کی وارننگ۔ افغانستان قرآن کریم کی بے حرمتی کیخلاف مظاہرے کے دوران اقوام متحدہ کے دفتر پر حملہ، 10 غیر ملکی ہلاک ✍ 3 / اپریل: پاکستان: پنجاب میں بے روزگار اور ریٹائرڈ ڈاکٹروں کی بھرتی شروع، متعدد ہڑتالی ڈیوٹی پر واپس، ہسپتالوں میں سیکورٹی کے انتظامات سخت ✍ 4 / اپریل: پاکستان: ڈی جی خان دربار سخی سرور میں دھماکے، 46 جاں بحق ✍ 5 / اپریل: پاکستان: لوئر دیر بس سٹینڈ پر خودکش حملہ، 8 افراد جاں بحق، 30 زخمی، وزیرستان میں مغوی قبائلی سردار کی لاش برآمد ✍ 6 / اپریل: پاکستان: کراچی: بھتہ مافیا کے ستائے ہوئے چھوٹے، تاجروں کی شٹر ڈاؤن ہڑتال، مارکیٹیں، شاپنگ سنٹر اور گلی محلوں کی دکانیں بھی بند ✍ 7 / اپریل: پاکستان: اشیائے خورونوش 19 فیصد مہنگی ہونے کا حکومتی اعتراف ✍ 8 / اپریل: پاکستان: مہمند اورکزئی: شیلنگ اور جھڑپوں میں 25 عسکریت پسند، 4 اہلکار جاں بحق، باڑہ میں ریموٹ کنٹرول بم دھماکا، 7 اہلکار زخمی ✍ 9 / اپریل: پاکستان: جاپانی ایٹمی بحران، پاکستان میں بھی ریڈیوایکٹو آئیوڈین کی نشاندھی، معمولی نوعیت کی ہے، انسانی زندگی یا ماحول پر منفی اثرات کا امکان نہیں، اٹامک انرجی کمیشن ﴿بقیہ صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ فرمائیں﴾